بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر حالات

اعلیٰحضرت شیر ربانی و حضرت ثانی لا ثانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہما

مرتبہ

صاحبزادہ میاں جلیل احمد ابن حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری

شعبہ نشر و اشاعت

دار المبلغین حضرت میاں صاحب

شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

Marfat.com

اعلیحضرت شیرِ ربّانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

ابوصمصام نقش بندی

ایک مرتبہ دریائے راوی میں طغیانی آگئی۔ دریائے راوی میں جب بھی طغیانی آتی شرق پور بھی زد میں آجاتا۔ اطراف میں نشیب کی وجہ سے پانی بھر جاتا۔ فصلیں، مویشی، انسان، گھر، سبھی متاثر ہوتے۔

شرق پور لاہور سے مغرب کی جانب بیس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ چاروں طرف سبزے کی سرحدیں اُس سے ملتی ہیں اور گرد و نواح میں کچی پکی سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ چار سو برس پہلے ایک درویش صفت زمیں دار حافظ جمال الدین نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔

سو ہوا یہ کہ اس بار جب طغیانی آئی اور تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں تو شرق پور کے لوگ قریب کے ایک قصبے کوٹلہ پنجو بیگ پہنچے۔ وہاں ان دنوں ایک نامی گرامی فقیر رہا کرتے تھے زہد و تقوا، علم و فضل اور جلال و کمال کے سبب دُور دُور تک آپ کا چرچا تھا۔ سفید داڑھی، سرخ و سفید رنگ، اونچا قد، آنکھوں میں ایک خاص چمک اور روشن چہرہ۔ یہ بابا امیر الدین تھے۔ لوگوں نے اُن کے پاس جا کے دُہائی دی کہ "بابا! شرق پور سیلاب کی زد پر ہے۔ ہم ہر تدبیر کر کے دیکھ چکے ہیں، اب دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

یہ زیادہ عرصے کی بات نہیں ہے۔ متعدد تذکروں میں مرقوم ہے کہ بابا امیر الدین نے سوالیوں کو اپنا رومال دیا اور ہدایت کی کہ "لوگو! جاؤ، دریا کو یہ رومال دکھا کے اُس سے میرا سلام کہنا"۔ سوالی مطمئن نہیں ہوئے لیکن بابا نے خاموشی اختیار کر لی۔ آخر لوگ اُمید و بیم کے عالم میں رات کے وقت شرق پور واپس پہنچے۔ دریا بپھر رہا تھا اور شہر کے گرد مسلسل اپنا گھیرا تنگ کرتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے بابا کی ہدایت پر بجنسہٖ عمل کیا اور اپنے اپنے گھر جا کے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دوسری صبح دریا شرق پور سے دو میل پرے ہٹ گیا اور مکان و مکیں دونوں ناگہانی بلا سے محفوظ ہو گئے۔

شرق پور بہت سے بزرگوں کی جلوہ گاہ رہا ہے۔ بزرگوں سے شہر کے باسیوں کی نسبت نئی نہیں تھی۔ انھیں ان خاک بسر گوشہ نشینوں کا مرتبہ پہچاننا آتا تھا۔ سیلاب کے کچھ عرصے بعد ایک دن انھوں نے رومال والے بابا امیر الدین کو شرق پور میں دیکھا۔ شہر کے لوگ سمٹ سمٹا کے اُن کے گرد جمع ہو گئے اور تعظیم و احترام سے دُعا کے طالب ہوئے۔ ہر شخص اُن کی دل جوئی اور خوشنودی کے لیے مضطرب نظر آتا تھا۔ کسی نے جرأت کی اور کہا کہ "حضرت! غلاموں کو کسی خدمت کا حکم دیجیے"۔ بابا مسکراتے ہوئے ایک جانب چل دیے۔ شرق پور اُس زمانے میں ایک قلعہ نما بستی تھی۔ کچے پکے مکانات اور تنگ گلیاں۔ بابا بڑھتے جا رہے تھے۔ اُن کے پیچھے پیچھے ایک ہجوم سر جھکائے چل رہا تھا۔ ایک تنگ گلی میں پہنچ کے بابا امیر الدین ٹھیر گئے اور لمبی لمبی سانسیں کھینچنے لگے۔ لوگوں کو بہت جستجو ہوئی لیکن کچھ سوچ کے خاموش رہے۔

اس کے بعد شرق پور آنا بابا کا معمول ہو گیا۔ وہ جب بھی آتے مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے اس مکان تک پہنچتے اور گہری

انقلابِ حقیقت | خزینۂ معرفت | حیاتِ جاوید | شیرِ ربانی | خزینۂ کرم

گہری سانسیں لینے لگتے۔ ایک دن کسی نے آگے بڑھ کے پوچھ ہی لیا: "بابا! تم کیا سونگھتے ہو یہاں؟" بابا امیرالدین نے بے نیازی سے جواب دیا "جا اپنی راہ لے"۔

پھر وہ بڑبڑاتے ہوئے بولے: "خوشبو تو آتی ہے پر خود نہیں آتے"۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں میں سے پھر کسی نے لب کشائی کی: "بابا! کیا کوئی خوشبو آتی ہے جو اتنی لمبی لمبی سانسیں کھینچتے ہو؟" تو بابا مسکرائے "ہاں بیلیو! خوشبو ہی تو آتی ہے پر اب انھیں بھی آ جانا چاہیے"۔ لوگ پوچھتے "بابا! کسے؟" تو بابا سوال کرنے والوں کو اضطراری نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوئے ابھی وقت نہیں گزرا تھا۔ برطانوی حکومت مسلمان باغیوں کی تلاش میں پنجاب کا گاؤں گاؤں چھان رہی تھی۔ چھاپے پر چھاپے پڑ رہے تھے۔ نفسانفسی کا دور دورہ تھا۔ آدمی آدمی سے ڈرتا تھا۔ کچھ تحقیق پسند لوگ شرق پور میں بابا امیرالدین کی معنی خیز آمد کو نئے رنگ دینے لگے تھے۔ بعض لوگوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس شک کا اظہار کیا کہ کہیں یہ شخص درویش کے لبادے میں فرنگیوں کا کوئی کارندہ [illegible] باغیوں کی تلاش میں نہ آیا ہو۔ ان چند وہمیوں کے سوا تقریباً سارا شہر بابا امیرالدین کو [illegible] عزت ہی سے دیکھتا تھا۔ اسی دوران کا ذکر ہے [illegible] کی ایک رات تھی۔ لوگوں نے بابا امیرالدین کو پھر شرق پور میں دیکھا۔ آج بابا درمیان میں کہیں نہیں ٹھہرے۔ انھوں نے سیدھے اسی مکان پر جا کے دم لیا جہاں سے انھیں خوشبو آتی تھی۔ آج ان کا عالم ہی اور تھا۔ لوگوں نے انھیں اس عالم میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آج نہ انھوں نے لمبی لمبی سانسیں کھینچیں نہ کسی تردد و تجسس کا اظہار کیا جو یہاں آ کے ان پر طاری ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے بابا سے اس تبدیلی کا سبب پوچھا۔ بابا نے بے ساختہ اس مکان کی طرف اشارہ کیا اور والہانہ انداز میں بولے۔ "دیکھا وہ آ گئے۔ آخر آ ہی گئے ہیں"۔ متحیر لوگوں نے سوال کیا: "کون آ گئے بابا؟" بابا نے خندہ لبی سے جواب دیا: "میاں عزیزالدین سے پوچھ جا کے"۔ لوگوں نے بے تابانہ بڑھ کے دروازے پر دستک دی۔ پتہ چلا کہ آج اس گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ لوگ مڑے مگر بابا جا چکے تھے۔

شہریوں کی نظر میں میاں عزیزالدین کے گھر کی وقعت اور بڑھ گئی۔ ہر چند کہ پہلے بھی یہ گھر اپنے مکینوں کی پرہیزگاری کے باعث بستی کے ایک ممتاز گھر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

علم و بصیرت کے اعتبار سے بھی بستی میں اس گھرانے کا رتبہ کم نہیں تھا۔ میاں عزیزالدین کے اجداد افغانستان سے ہندوستان آئے تھے۔ پہلے وہ دیپال پور میں مقیم ہوئے پھر زمانے کے انقلاب نے خاندان کے بعض بزرگوں کو شہر قصور میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ علم و ہنر کے سبب شہر کے روسا ان کے حلقہ بگوش ہو گئے اور انھیں مخدوم کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ دین کی تدریس و تبلیغ کے سوا اس خاندان کا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ وہ محنت و مشقت کی روزی پر یقین رکھتے تھے اس لیے دینی کتابوں اور قرآن کی کتابت کرتے تھے۔ قرآن کا حفظ اس خاندان کی روایت تھی۔ حالات کچھ معمول پہ آئے تو ان میں سے چند بزرگ دیپال پور واپس چلے گئے مگر دو خاندانوں کو قصور کی آب و ہوا اور اس کے لوگ ایسے پسند آئے کہ وہ وہیں کے ہو رہے۔

میاں عزیزالدین کے نانا مولوی غلام رسول کو قصور کے باشندے بے حد عزیز رکھتے تھے۔ مولوی غلام رسول پاکیزگی، انکسار، دیانت اور زہد و تقویٰ میں ایک مثال بن چکے تھے۔ وہ حافظ ہونے کے علاوہ خطاط بھی تھے۔ لوگ دینی و سماجی مسائل کے حل کی خاطر انھی سے رجوع کرتے تھے۔

اس دور کا قصور آج کے قصور سے بہت مختلف تھا۔ اس وقت شہر کا ستارہ عروج پر تھا اور پنجاب کے خوش حال علاقوں میں اس کا شمار تھا۔ دور دور کے صاحبانِ کمال اور اہلِ ہنر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ یہ شہر ایک بڑا تجارتی مرکز بھی تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا قصور کو کسی کی نظر لگ گئی ——— یہاں کے حاکم نواب نظام الدین خاں کی مہاراجا رنجیت سنگھ سے رنجش ہو گئی۔ رنجیت سنگھ کی یورش کے سبب تلف ہوا سبھی کچھ تب وہ برباد ہو گئے [illegible] تمام شہر کے لوگ [illegible] گئے۔ قصور میں پھر سے عمارتیں اٹھنے لگیں پھر دوسرے یا تیسرے ہی سال شہر کے دوسرے حاکم نواب قطب الدین کے عہد میں رنجیت سنگھ نے دوبارہ فوج کشی کی۔ وہ ریاست کو غصب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لوگوں نے اس بار بھی شہر کی حفاظت کے لیے سخت جنگ کی لیکن دو ماہ کے محاصرے میں غلے کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور ایسا قحط پڑا کہ لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ مویشیوں پر گزارا ہونے لگا۔ مویشیوں کے بعد سواری کے گھوڑوں کی باری آئی۔ لوگوں نے انھی سے پیٹ کا جہنم بھرا۔ آخر یہ ذخیرہ بھی تمام ہو گیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ لوگ شہر سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ میاں غلام رسول بھی قصور کے ایک قصبے حجرہ شاہ مقیم چلے گئے اور خوش نویسی کا مشغلہ اختیار کر کے جیسے تیسے

Marfat.com

زندگی بسر کرنے لگے مگر کچھ عرصے بعد انھیں وہاں سے بھی ہجرت کرنی پڑی تا آں کہ انھوں نے شرق پور آ کے پناہ لی۔ شرق پور نے خانماں بربادوں کے لیے اپنے دروازے کھول رکھے تھے۔ بستی میں ایک جگہ علاقے بھر کا کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ مولوی غلام رسول نے وہیں اپنا مسکن بنایا اور ایک مسجد اور ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ ہر عزم کو ایک یقین لازم ہے، یقین کے آگے کوئی دیوار نہیں ٹھہرتی۔ اس کچی پکی درس گاہ نے دیکھتے دیکھتے ایک بڑی علمی خانقاہ کی شکل اختیار کر لی۔ مولوی غلام رسول کے ایک بھتیجے تھے حافظ غلام حسین۔ اُن سے میاں صاحب نے اپنی اکلوتی لڑکی آمنہ کی شادی کر دی تھی۔ انھی کے بطن سے میاں عزیز الدین تولّد ہوئے۔

تقوا کسی کو ورثے میں نہیں ملتا البتہ عبادت و ریاضت کا ماحول میاں عزیز الدین کو ورثے میں ملا تھا اور انھوں نے بہ تمام و کمال اپنے اجداد کی پیروی کی تھی۔ وہ ایک شب بیدار بزرگ تھے۔ باطنی علوم کے علاوہ وہ ظاہری علوم سے بھی پیراستہ۔ دنیوی امور میں گھرے رہنے کے باوجود وہ دنیا سے بچے بچے رہتے تھے۔ ضلع حصار کے محکمۂ چنگی سے وہ ایک مدت تک وابستہ رہے۔ تعطیلات میں وہ اپنے گھر شرق پور آتے تھے۔ نوکروں کو ساتھ بٹھا کے کھانا کھلانا اُن کا معمول تھا۔ اپنے کپڑے وہ خود دھوتے تھے بلکہ بسا اوقات نوکروں کے کپڑے بھی دھو دیتے تھے۔ اُن کے محکمے میں رشوت ستانی عام تھی لیکن انھوں نے ساری عمر سوکھی تنخواہ پر بسر کی۔ جو خوشبو شرق پور کی گلیوں میں آگے بابا امیر الدین سونگھتے تھے، وہ میاں عزیز الدین کے ہاں ایک فرزند کی صورت میں مجسّم ہوئی۔ ولادت کی تاریخ کہیں درج نہیں [illegible] لکھی ہے تحقیق کو اختلاف نہیں ہے۔ والدہ آمنہ نے اپنی خاندانی روایت کے مطابق نومولود کی تربیت کا بیڑا اٹھایا۔ ساتویں روز لڑکے کا نام شیر محمد رکھا گیا۔

بابا امیر الدین تو اشارہ کر کے چلے گئے تھے لیکن اشارہ وہی لیا ہوتا ہے۔ میاں عزیز الدین کے لیے اُن کا بیٹا ایک بیٹا ہی تھا اور محلے والوں کے لیے دوسرے بچوں جیسا ایک بچہ۔ میاں غلام رسول خاندان کے سب سے معمر بزرگ تھے۔ انھوں نے آپ کا چہرہ دیکھتے ہی آپ کے منہ میں اپنی زبان ڈال دی۔ شیر خوارگی تک اُن کی زبان چوستے رہے۔ اس طرح ورثہ منتقل ہو گیا۔ میاں غلام رسول کو آپ کے نانا کے علاوہ دادا کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ وہ انھیں ایک پل کے لیے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے اور کم سنی ہی میں علم و حکمت کے رموز سمجھانے کی کوشش کرتے۔ آپ پلکیں پٹ پٹاتے، تبسم اور مسکراتے ہوئے سنتے رہتے۔ آپ میں سادگی و معصومیت کے ساتھ ساتھ بعض بچگانہ ادائیں بھی تھیں جو نانا کو دیوانہ کر دیتی تھیں۔ اُن کا بس نہیں چلتا تھا کہ آپکو ہر وقت سینے سے لگائے رہیں، کندھوں پر اٹھائے رکھیں لیکن نواسے اور نانا کی یہ رفاقت زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ میاں غلام رسول کا بلاوا آ گیا۔ نانا کو نواسے سے رخصت ہونا پڑا۔ بہرحال ایک سال میں انھوں نے طفل شیر خوار پر جو نقش مرتب کیے تھے، وہ ایسے نہیں تھے کہ آسانی سے مٹ جاتے۔ گفتار کی نرمی، انکسار، تحمل، مسکینی اور کم گوئی کے نقوش زندگی کے آخری لمحوں میں میاں غلام رسول نے اپنے دوسرے نواسے یعنی میاں عزیز الدین کے بھائی حافظ حمید الدین کو وصیت کی تھی کہ "دیکھ حمید! ہم شیر محمد کو تیرے حوالے کر رہے ہیں۔ جو کچھ تجھے آتا ہے، وہ اسے سونپ دے اور جو کچھ نہیں آتا اُس کے لیے بھی رہنمائی کر۔ ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں"۔ حافظ حمید الدین نقلی و عقلی علوم میں غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔ اُن کا شمار عربی و فارسی کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ آپ اُن کے بھتیجے بھی تھے اور نانا کے حکم کی تعمیل بھی فرض تھی۔

آپ جیسے ہی چلنے پھرنے کے قابل ہوئے، قرآنی آیات سے آپ کی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ آپ نے پہلا قاعدہ بہت جلد ازبر کر لیا تھا۔ ماں اور چچا کی نگرانی میں آپ نے گھر پر ناظرہ قرآن بھی ختم کر لیا۔ وہ حروف شناس ہو گئے تھے۔ چچا نے آپکو شرق پور کے

> دین و دُنیا علیحدہ علیحدہ
> نہیں ہیں، جس دُنیا
> میں خداوند کریم کی
> رضا مقصود ہو وہ
> عین دین ہے:
>
> —— اعلیٰ حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

اسکول میں داخل کرادیا۔ اسکول کی فضا آپ کے لیے بہت نئی تھی، نئی سب کے لیے ہوتی ہے لیکن اپنی اپنی افتادِ طبع کی بات ہے۔ ماں باپ اور چچا کی خواہش پر آپ پابندی سے اسکول چلے تو جاتے تھے مگر وہاں آپ کا جی بالکل نہیں لگتا تھا۔ چچا آپ کی بے دلی سے ہراساں ہو گئے۔ آپ کے بارے میں آپ کے اساتذہ بتاتے تھے کہ آپ جماعت میں گم بیٹھے رہتے ہیں۔ آپ کا عجب عالم تھا۔ چھٹی کی گھنٹی بجتی تو سب بچے کھیل کود میں مشغول ہو جاتے لیکن آپ مسجد کا رخ کرتے اور وہاں جا کے سر جھکائے تنہا بیٹھے رہتے۔

بہر صورت کسی نہ کسی طرح مدرسے سے آپ نے پانچویں جماعت پاس کر لی۔ چچا کو احساس ہو گیا کہ مدرسہ آپ کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے۔ انھوں نے آپ کو مستقل نگاہوں کے سامنے رکھنا شروع کر دیا اور فارسی کی درسی کتب سے ابتدا کی۔ دادا حافظ محمد حسین نے بھی توجہ کی اور قرآن کا آموختہ کرایا۔ آپ کا یہ حال تھا کہ جب سیپارہ پڑھنے کو دیا جاتا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ سیپارہ بھیگ بھیگ کے چند روز میں خستہ ہو جاتا۔ دادا آپ سے اشک فشانی کا سبب پوچھتے تو آپ کا جواب سکوت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ دادا اور چچا کی درخواست پر شہر کے ایک اور عالم حکیم شیر علی نے بھی آپ کو کتابوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے اب بھی کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ ہاں آپ کو خوش نویسی سے ضرور کسی قدر رغبت ہوئی۔ مدرسے ہی میں آپ حروف و الفاظ کو ایک کہنہ مشق خطاط کی طرح نئی نئی شکلیں دینے لگے تھے۔ آپ نے مختلف خطوں میں قرآن لکھنے کی مشق کی۔ آپ کی مکتوبہ بیاضیں اور قرآنی نسخے دیکھ کے بڑے بڑے کاتب، نقاش اور خطاط انگشت بہ لب رہ جاتے تھے۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ کام ایک نو مکتب کا کیا ہوا ہے۔

یہ شغف تو تھا ہی۔ آپ کو بچپن سے ایک اور شوق بھی تھا۔ آپ کو گھوڑے بہت پسند تھے۔ آپ کو گھوڑوں اور اُن کی سواری کا شوق تھا۔ کبھی طبیعت جولانی پر آتی تو آپ گھوڑے پر بیٹھ کے شہر سے میلوں دور نکل جاتے۔ شہر کے لوگ دنگ رہ جاتے کہ اس لڑکے کی تو مسیں بھی نہیں بھیگی ہیں، یہ کس بے جگری سے ایک قوی الجثہ گھوڑے پر اڑا چلا جاتا ہے۔ انھی دنوں کا واقعہ ہے، کسی شہر سے ایک برات شرق پور آ رہی تھی۔ شہر آتے آتے دولھا کی گھوڑی بہت تھک گئی۔ مزاج کی تند تھی۔ کسی نے چھیڑ دیا تو ایک دم بدک گئی۔ دیکھتے دیکھتے اُس نے براتیوں میں کھلبلی مچا دی۔ کئی جوان ناراض گھوڑی کو منانے کے لیے آگے بڑھے لیکن اُس کا غیظ و غضب بڑھتا گیا۔ جہاں سے برات گزر رہی تھی، وہاں سارے علاقے میں اس شعلہ صفت نے تلاطم سا برپا کر دیا تھا۔ جو بھی قریب آتا گھوڑی اُس پر جھپٹتی۔ کسی کو اُس نے پچھاڑا اور کسی کو ٹاپوں سے روند ڈالا۔ علاقے بھر میں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ مجمع میں سے کسی نے کہا: "ارے شیر محمد کو بلا کے دیکھو وہ قریب ہی رہتے ہیں۔ شاید یہ سرکش گھوڑی اُن کے قابو میں آ جائے۔" ایک شخص دوڑا دوڑا آپ کے گھر پہنچا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ فوراً اُس کے ساتھ چل پڑے۔ گھوڑی کے اب تک وہی رنگ تھے۔ وہ اُسی طرح بپھری ہوئی تھی۔ آپ کسی جھجک کے بغیر اُس کے سامنے چلے گئے پھر لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی، گھوڑی کی لگام آپ کے ہاتھ میں آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے آپ اُس کی گردن سہلا رہے تھے۔ پھر آپ نہایت اطمینان سے گھوڑی پر سوار ہو گئے۔

شرق پور کوئی بڑی بستی نہیں تھی لہٰذا صرف ایک پہر میں ہر طرف اس واقعے کا چرچا ہو گیا۔ محلے کے لوگوں میں وہ اپنی جداگانہ روش کی وجہ سے کبھی باؤلا کہلاتے تھے کبھی بودم۔ بہت سے لوگ آپ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ کسی کو آپ کی سادگی ڈراتی تھی، کسی کو آپ کی خاموشی پراسرار لگتی تھی۔ آپ حضور کی عادتیں ہی نرالی تھیں۔ صبح صبح آپ گھر سے غائب ہو جاتے اور تلاشِ بسیار کے بعد یا تو کسی مسجد میں [illegible] آتے یا قبرستان میں۔ واپسی پر ماں پوچھتی: "کدھر گئے تھے؟" آپ کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا، وہ یہ کہ "کسی سے ملنے گیا تھا۔" آپ کی شرم و حیا کے قصے بھی زبان زدِ خاص و عام ہو چکے تھے۔ آپ گھر سے نکلتے تو خود کو چادر سے ڈھانپ لیا کرتے یا منہ پر رومال لپیٹ لیتے۔ محلے کی عورتیں پھبتیاں کستیں: "اری دیکھ، وہ کون لڑکی جا رہی ہے۔" کوئی کہتی: "کیسی اچھی لڑکی پیدا ہوئی ہے اپنے محلے میں، شرم و حیا کی پتلی۔" آپ یہ فقرے سنتے، نگاہیں جھکائے خاموشی سے گزر جاتے۔ آپ نے اپنی وضع نہ بدلی۔ آخر عورتوں ہی کو اپنے رویے میں محتاط ہونا پڑا۔ ماں کے کانوں میں یہ باتیں پہنچتیں۔ وہ بہت دل برداشتہ ہوتیں اور بیٹے کو نرم و گرم لہجے میں ٹوکتیں۔ بیٹا تحمل سے سنتا رہتا پھر چند دنوں تک گھر میں چھپا رہتا۔ رفتہ رفتہ دوبارہ آپ کی وہی حالت ہو جاتی۔

ایک روز رات کو آپ نے ماں سے کہا کہ "ماں سردی لگ رہی ہے۔" ماں نے آپ کو لحاف اڑھا دیا۔ آپ کی سردی کم نہیں ہوئی۔ ماں نے

دوسرا لحاف اُڑھا دیا۔ دوسرے لحاف کے بعد بھی آپ نے سردی کی شکایت کی تو ماں کو تشویش ہوئی۔ اُس نے پوچھا: "طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟ آج یہ تجھے کیا ہو رہا ہے؟" آپ نے معلوم کیا کہ کیا آج گھر میں کوئی مہمان آیا ہے؟ ماں نے کہا "ہاں آیا تو ہے۔" آپ نے پوچھا "کیا اُسے چارپائی اور بستر دیا گیا ہے؟" تو ماں نے کہا "کیوں نہیں؟" آپ نے استفسار کیا "مہمان کے ساتھ کوئی اور تو نہیں ہے؟" ماں نے مذبذب سے جواب دیا "اور تو کوئی نہیں ہے۔" پھر وہ جلدی سے بولی "ہاں اُس کے ساتھ اُس کا گھوڑا بھی ہے، باہر بندھا ہے۔" بیٹے نے پوچھا "کیا گھوڑے کو بھی سردی سے بچاؤ کے لیے کچھ دیا گیا ہے؟" ماں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ آپ کہنے لگے "ٹھیک ہے اگر اُسے سردی نہیں لگ رہی ہوگی تو مجھے بھی نہیں لگے گی۔" بیٹے کی ایسی باتیں ماں کو ہولا دیتی تھیں۔ وہ اُس کا اور خیال رکھنے لگتیں۔

میاں عزیزالدین کو بھی ہر باپ کی طرح فکر ہونے لگی تھی کہ اُن کا بیٹا زندگی کے راستے میں اپنی بے نیازی کے سبب بہت پیچھے نہ رہ جائے۔ وہ حصار میں رہتے تھے لیکن گھر سے دور ہونے کے باوجود بیٹے سے بے خبر نہیں تھے۔ ماں اور چچا خط میں آپ کے مشاغل ہم عمروں سے کنارہ کشی، کتابوں سے بے توجہی اور تنہانشینی کا حال لکھتے تو میاں عزیزالدین دل گرفتہ ہو جاتے۔ تعطیلات میں گھر آ کے وہ بیٹے کو سمجھاتے لیکن بیٹا اپنے بس میں کہاں تھا۔ والدین کی تلقین و تاکید کے باوجود اُس کی لگن میں شدت آ گئی۔ میاں عزیزالدین کی تنخواہ چالیس روپے ماہانہ تھی۔ آپ کے ذاتی خرچ کے لیے وہ دس روپے الگ بھیجتے تھے تاکہ بیٹے کو کسی بات کی تکلیف نہ ہو اور وہ کسی چیز کے لیے دل تھوڑا نہ کرے مگر بیٹے کو پیسے کی مطلق پروا نہیں تھی۔ وہ تو جو کچھ ہاتھ آتا، راہگیروں، درویشوں اور حاجت مندوں میں لٹا دیتا۔ کوئی پگڑی مانگتا تو پگڑی اتار کے اُسے دے دیتا۔ کوئی کُرتا مانگتا تو کُرتا اُس کے حوالے کر دیتا۔ کھانا وہ کبھی اکیلے نہ کھاتا۔ دس روپے کی رقم اُس زمانے میں خاصی بڑی رقم تھی پھر بھی آپ کے لیے ناکافی ہوتی۔ سینے کی کشادگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہاتھ تنگ ہو گیا۔ آپ بازار سے قرض لے کے حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنے لگے۔ گو میاں عزیزالدین شرق پور آ کے بیٹے کا سارا قرض اتار دیتے تھے لیکن صاحب زادے کی یہ روش انھیں گوارا نہیں تھی۔ آپ کے جنوں کے تذکرے بھی شہر میں کم نہ تھے۔ وہ کسی سے ملتے جلتے نہیں تھے۔ اُس کے باوجود طویل طویل وقفوں کے لیے گھر سے غائب ہو جاتے۔ کھڑے کھڑے کہیں گم ہو جاتے۔ بیٹھے بیٹھے کہیں ڈوب جاتے یا پھر خطاطی شروع کر دیتے یا گھوڑے پر سوار ہو کے شرق پور سے دور نکل جاتے اور ویرانوں میں بھٹکتے پھرتے۔ کبھی کسی درخت کے نیچے بیٹھے ملتے۔ کبھی کڑی دھوپ میں مستغرق دکھائی دیتے۔ کسی مسجد میں سجدہ ریز یا قبرستان میں قبروں کے درمیان اشک فشاں۔ میاں عزیزالدین کو شبہ ہونے لگا کہ اُن کے بیٹے کی دماغی حالت درست نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی حافظ حمیدالدین سے تذکرہ کیا اور کہا "کیا تدبیر کی جائے سمجھ میں نہیں آتا۔" حافظ حمید خود بھتیجے کو باؤلا کہتے تھے، وہ کیا جواب دیتے۔ ماں ہر وقت دعا کرتی رہتی تھیں۔ اور تو اور آپ گھر کی چیزیں بھی لے جا کے لٹانے لگے تھے۔

ایک بار میاں عزیزالدین بہت ناراض ہوئے۔ آپ دل برداشتہ ہو گئے اور خوش نویسی کی ملازمت کے لیے لاہور چلے گئے۔ وہ لاہور میں مسجد طلائی کے قریب سے گزر رہے تھے کہ اچانک کسی نے ٹوکا کہ "بے خبر! خدا کی کارسازی بھول گیا ہے؟" آپ پر بہت اثر ہوا۔ اُدھر ہی سے گھر کی طرف واپس ہو گئے۔

حصار میں میاں عزیزالدین کے شب و روز اضطراب میں گزر رہے تھے۔ نہ گھر سے آنے والے خطوں میں تسلی کی کوئی بات ہوتی تھی نہ شرق پور کے مسافر اطمینان کی باتیں بتاتے تھے۔ عزت کی ملازمت تھی اور تنخواہ نہایت معقول لیکن کوئی اور ذریعۂ آمدنی نہیں تھا ورنہ بیٹے کی خاطر وہ ملازمت ترک کر کے شرق پور آ جاتے۔ ویسے انھیں یہ اطمینان تھا کہ گھر میں سبھی موجود ہیں۔ آپ کے دادا، چچا، ماں اور دیگر اعزا۔

ایک روز میاں عزیزالدین کی ایک بزرگ سے سرِراہ ملاقات ہوئی۔ بزرگ نے حال چال پوچھا۔ میاں صاحب نے کہا "خیر ہے۔" بزرگ نے پوچھا "پھر چہرے پر یہ غبار سا کیوں ہے؟" میاں صاحب نے جواب دیا کہ "بیٹے کی طرف سے طبیعت مکدر ہے۔" بزرگ ہنسنے لگے، بولے "کیا بیٹا بستی والوں کو ستاتا ہے؟" میاں عزیزالدین نے سنبھل کر جواب دیا "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" بزرگ نے دریافت کیا "کیا کسی نے اُس کی کوئی شکایت کی ہے؟" میاں عزیزالدین نے تردید کی "جی نہیں۔ اُس نے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ وہ تو دوسروں کے کام آتا ہے۔" بزرگ نے کہا "پھر کیا تردد ہے؟" میاں عزیزالدین اُداسی سے بولے "اُسے اپنی کوئی پروا نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کام کا نہ رہے۔ اپنے آپ کو ضائع نہ کر دے۔" "خلقِ خدا کے کام آنا بے شک ایک

Marfat.com

محسن وظیفہ ہے مگر آدمی کے سامنے اپنی زندگی بھی تو ہوتی ہے۔ آدمی کو اپنا بھی تو خیال رکھنا چاہیے۔ حسن و خیر اعتدال ہی میں مضمر ہے۔ اعتدال ہی راستی ہے۔" بزرگ نے تاسف کا اظہار کیا اور بولے: "عزیز میاں! حیرت ہے، تم نے اُسے نہیں پہچانا۔ اس قدر آزردہ کیوں ہوتے ہو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ اُسے اُس کا کام کرنے دو۔ اگر کوئی اپنی نفی پر مصر ہے مگر خلق خدا کے لیے سراپا اثبات ہے تو تم کیوں اُس کے آڑے آتے ہو۔ ابھی اُس کی عمر ہی کیا ہے۔ ذرا حوصلے سے کام لو۔" بزرگ کے لہجے میں ایسا وثوق تھا کہ میاں عزیز الدین نے اپنے دل سے بوجھ اترتا محسوس کیا۔ انھوں نے بزرگ سے وعدہ کیا کہ اب وہ اپنے بیٹے کو کبھی نہیں ٹوکیں گے۔

آپ کو اسم ذات سے جنون کی حد تک عشق ہو گیا تھا۔ رات ہوتے ہی وہ مسجد کی چھت پر چڑھ جاتے اور اسم ذات کا وِرد شروع کر دیتے۔ آنکھ کھلی، ہوش نہ رہتا۔ آپ کی نغاں کہاں کہاں پہنچ رہی ہے۔ شروع شروع میں مسجد کے اطراف کے لوگ آپ کی اس دیوانگی پر بڑے برہم ہوئے لیکن آپ کے نالے میں ایسا سوز تھا کہ سینے میں ترازو ہو جاتا تھا۔ لوگ رفتہ رفتہ عادی ہو گئے۔ کبھی ذات مسجد سے یہ صدائیں بلند نہ ہوتیں تو انھیں بے کلی ہونے لگتی۔ آپ کو اسم ذات کا ورد کبھی کبھی اتنا بے خود کر دیتا کہ آپ سیڑھیاں بھلا کر نعرہ زناں گلیوں میں نکل جاتے اور اندھیرے میں گم ہو جاتے۔ کبھی ذکر کرتے کرتے وہ چھت سے نیچے آ رہتے۔ آپ کی محویت میں فرق نہ آتا۔ نہ آنکھ، چوٹ لگتی، نہ آپ کا گریہ ختم ہوتا۔ آپ کی دن کے وقت بھی یہ حالت ہو جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ وقت بھی آیا کہ رات اور دن کی کوئی قید نہ رہی۔ شرق پور کے لوگ دیکھتے کہ آپ کا گریبان چاک ہے اور دستار بے ترتیب۔ منہ اٹھائے دیوانہ وار آسمان کو تکتے چلتے چلتے آپ کسی مسجد کے دروازے پر ٹھہر گئے تو اللہ اللہ اللہ پکارنے لگتے۔ راستے میں کوئی شخص مل جاتا تو آپ پوچھتے "بتا میرا خدا کہاں ہے۔ تجھے کہیں ملا؟" لوگ حیرانی سے آپ کا چہرہ تکتے رہ جاتے۔ کئی بار آپ کو اضطرابی کیفیت میں زمین پر تڑپتے اور لوٹتے بھی دیکھا گیا۔ لوگوں نے آپ کے معاملات میں دخل دینا بند کر دیا تھا۔ کبھی کبھی جنگل میں کسی کا بچہ یہ بچے مل جاتے تو دیکھنے والا کنارہ کر لیتا۔ ایک روز کسی نے دیکھا کہ آپ ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں پڑے ہیں۔ پھر کسی روز آپ شہر کی گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے اور مستی میں نعرہ زور سے پکارتے "تو بن میں ہو گیا کوئی ہور، تن مینوں کون پچھانے گا۔"

> میں رب کو اس
> لیے رب
> مانتا ہوں کہ وہ
> محمد رسول اللہ صلی اللہ
> علیہ وسلم کا رب
> ہے۔
>
> حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت کے بعد کوٹلہ پنجو بیگ سے بابا امیر الدین کوٹ کبھی شرق پور آتے اور اپنے دیوانے کا نظارہ کر کے لوٹ جاتے۔ آپ کے بزرگوں سے اُن کی اچھی شناسائی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے گھر قیام بھی کرنے لگے تھے۔ شرق پور کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ جیسے ہی بابا امیر الدین کو دیکھتے، آپ کی دیوانگی کے چرچے شروع کر دیتے۔ بابا امیر الدین آپ کے متعلق ہر بات کامل توجہ سے سنتے، سر ہلاتے رہتے اور جواب میں لوگوں سے کہتے: "گر وہ دیوانہ ہے تو ہوا کرے، تمھارا کیا لیتا ہے۔ تم لوگ اس کے راستے میں نہ آیا کرو۔ اُس کا راستہ تم سب سے الگ ہے۔" پھر مسکراتے ہوئے کہتے: "اچھا ٹھیک ہے۔ ہم شہزادے سے بات کریں گے۔"

بابا امیر الدین کی آمد سے آپ کا چہرہ کھل جاتا لیکن وہ اُن کے سامنے جانے کے بجائے ان سے دُور دُور رہتے۔ بابا امیر الدین چاہتے تھے کہ وہ اُن کے پاس آ کے کچھ کہے کچھ سنے۔ وہ اُس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے، اُن سوالوں کے جواب دینا چاہتے تھے جو آپ راہ گیر دل سے کرتے تھے مگر آپ ہر بار موقع دیکھ کے اُن کے سامنے سے اوجھل ہو جاتے۔ شاید اس وجہ سے کہ بابا امیر الدین کے سامنے آپ کا ہیجان بڑھ جاتا تھا۔ اُن کا ادب بھی مانع ہوگا۔ بابا امیر الدین بھی آپ سے زیادہ اصرار نہ کرتے۔ انھیں بھی جیسے کسی مناسب وقت کا انتظار تھا۔ جب وہ اپنے علاقے کوٹلہ پنجو

Marfat.com

بیگ ہیں ہوتے تو شرق پور سے آنے والے ہر شخص سے سب سے پہلے آپ کی خیریت دریافت کرتے اور پوچھتے کہ گھوڑ ہمارے بچن کا کیا حال ہے؟ آپ کی ازخود رفتگی کے قصے سن کے اُن کی آنکھیں چمکنے لگتیں اور چہرے کی سرخی گہری ہو جاتی۔

آپ نے اپنے چچا حافظ حمید الدین کی مسلسل تلقین پر بعض بنیادی کتابیں پڑھ لی تھیں اور فارسی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ عربی کی شد بد بھی اُسے خاصی ہو گئی تھی لیکن یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا۔ آپ چچا سے ایسے سوالات کرنے لگتے جن کا جواب کتابوں میں تھا نہ چچا کے امکان میں۔ شرق پور کی درس گاہ میں دور دور کے عالم جمع ہوتے تھے۔ آپ کبھی کبھار اُن کی مجلسوں میں جا بیٹھتے، خوب خاموشی سے سنتے رہتے لیکن جب کسی وقت مسئلے پر دخل اندازی کرتے تو سب چونک پڑتے۔ آپ ایک جملے میں بہت سی ناگفتنیاں، گفتنی کر دیتے تھے۔ اس کی چھوٹی سی بات کسی بڑی گرہ کشائی کا سبب بن جاتی تھی۔ شیر محمد چچا سے کسی مسئلے پر اُلجھتا نہیں تھے مگر اکثر یہ ہوتا کہ وہ کوئی سوال اٹھا کے کوئی شگوفہ چھوڑ کے کھڑا ہو جاتا۔ لوگ دیر تک اسی بات میں اُلجھے رہتے۔ آپ کبھی تفصیل میں نہیں جاتا تھا۔ اس کی باتیں اشارے ہوتی تھیں۔ اشاروں میں وہ ایسی بلیغ اور نکتہ آفریں بات کہہ دیتے کہ لوگ اُس کی صورت دیکھتے رہ جاتے۔

کتابوں کی حیثیت علم تک واسطے اور علم کے امین کی ہے مگر علم محض کتابوں کا مرہون منت نہیں۔ کہتے ہیں کہ علم کی بنیادی شرط فکر و طلب ہے۔ کتابیں تو سبھی کی دسترس میں ہوتی ہیں پر رسائی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ رسائی کا تعلق طلب سے ہے۔ جتنی طلب قوی ہو گی اتنی ہی رسائی بھی ہو گی مگر لوگ ایک اور بات پر بھی یقین رکھتے ہیں وہ یہ کہ طلب کی شرط اپنی جگہ مگر عطا بھی تو علم کی ارزانی کا ایک سبب ہے۔ کوئی عطا ہی پر آمادہ ہو اور کسی نے کسی کو منتخب کر لیا ہو۔ کوئی سخاوت ہی پر آمادہ ہو، تو طلب گار کتنا پائے گا۔ اس کی مثال جیسے کوئی شخص بڑی میراث چھوڑ کے چلا جائے یا کوئی کسی کی ایک ادا پر جاگیر بخش دے۔ عطا کے لیے طلب لازم نہیں۔ جو عطا کی کارفرمائی پر یقین رکھتے ہیں اُن کا دعوا ہے کہ بے طلب بھی ملتا ہے اور طلب سے زیادہ بھی۔ ویسے بھی طلب کا تعین تو عطا کرنے والا خود کرتا ہے۔ ہاتھ پھیلانا بھی ضروری نہیں۔ کون جانے کسی کی کون سی ادا عطا کا بہانہ بن جائے۔ طلب کے ہزار تیور ہیں۔ تو عطا کے صد ہزار۔ شدت طلب سے بڑھ کر تو حسن طلب ہے۔ آپ مجسم طلب تھے۔ یہ کتابیں آپ کی طلب کی کس حد تک سفارش کرتیں۔ وہ تو بہت سوا چاہتے تھے۔ آپ کا مقصود تو کچھ اور تھا، کوئی اور تھا۔

شرق پور کے باشندے اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ آپ اُن کے درمیان ہوتے ہوئے بھی اُن سے جدا کوئی شخص ہے۔ آپ کے علم، انکسار، مروّت اور سخاوت، سبھی کے وہ گواہ تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ اگر کوئی شخص بوجھ اٹھاتے جا رہا ہے تو آپ اُس کا بوجھ اپنی کمر پر لاد لیتے ہیں۔ کسی اندھے کی لاٹھی بن جاتے ہیں۔ گلی کے کتوں میں اپنا کھانا تقسیم کر دیتے ہیں۔ آپ اُن کے سامنے پلے بڑھے تھے۔ آپ پر کیسی جوانی آئی تھی کہ نگاہیں پہلے سے زیادہ جھک گئی تھیں اور گلیوں بازاروں پنگھٹ اور چوپالوں کے بجائے آپ ویرانوں میں گھومتے جا رہے تھے مسجد گھر یا بیابان اور خود حق کی صدائیں۔

بابا امیر الدین نے کئی بار آپ سے اشارۃً کہا تھا کہ وہ کب تک یوں ہی بے نیل مرام بھٹکتا رہے گا، اُسے کسی چوکھٹ کا رُخ کرنا چاہیے۔ اُن کا اشارہ مبہم نہیں تھا اور آپ نے اُن کی بات صمیمِ قلب سے سُنی تھی لیکن جواباً آپ نے بابا سے یہ نہیں کہا کہ وہی کچھ رہبری کریں۔ آپ کو بھی معلوم تھا کہ سفر میں کوئی خضرِ راہ مل جائے تو منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اس جستجو میں آپ کئی آستانوں پہ گئے مگر لوٹ آئے۔ کہیں آپ کی سیری نہ ہوئی اور آپ کے بے قرار دل کو کہیں قرار نہ آیا۔ آپ نے رہبر کامل کے جو تذکرے اپنے آبا و اجداد سے سُنے تھے اور کتابوں میں پڑھے تھے اور آپ کے ذہن میں اپنے مرشد کا جو مثالی پیکر تھا وہ آپکو کہیں نظر نہ آیا۔ ہاں بابا امیر الدین کی بات اور تھی وہ زیادہ دُور بھی نہیں تھے مگر اُن کا قرب ہی تو حجاب بنا ہوا تھا۔ اُن کے پاس جاتے ہوئے آپکو جھجک سی ہوتی تھی۔ آپ کا یہ ناز بھی خوب تھا کہ کسی دروازے پر دستک دینے کے بجائے آپ کا مطلوب خود اُسے ڈھونڈتا ہوا نکلے۔ بابا امیر الدین نے آپ بھانپ لیا اور ایک روز آپکو اپنا معنوی فرزند بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس میں کچھ بابا امیر الدین کے روحانی تصرف کا اثر تھا اور کچھ آپ کی طلب صادق تھی۔ آخر دونوں طالب و مطلوب ایک روز یک جا ہو گئے۔

آپ نے باقاعدہ اپنے مرشد کی بیعت کی۔ اس طرح نقش بندی سلسلے سے آپ کی گرہ بندھ گئی۔ نقش بندی خانوادے کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ یہ سلسلہ مجدد الف ثانی، خواجہ باقی باللہ، بہاء الدین نقش بند، ابوالحسن خرقانی، بایزید بسطامی اور سلمان فارسی

وغیرہ جیسے نامی گرامی بزرگوں سے ہوتا ہوا رسولِ اکرمؐ کے جانشین سیدنا صدیقِ اکبرؓ تک دراز تھا۔ جذب و سلوک اور شریعت و طریقت کی بے بہا مثالیں قائم کرنے والے ایسے عظیم المرتبت بزرگوں سے آپ کی نسبت ہو گئی تھی۔ بابا امیرالدین کے حلقۂ ارادت میں آنے کے بعد وہ گویا ایک نئے جہان میں داخل ہو گئے جیسے کسی گم گشتہ کو نشانِ راہ نظر آ گیا ہو، کسی پیاسے کو سمندر مل گیا ہو۔ اب آپ کے شوق کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ عشق کے مفاہیم آپ کی سمجھ میں آنے لگے۔ بابا امیرالدین تو نقش بندی سلسلے کی زنجیر ڈال کے واپس چلے گئے لیکن آپ کے دل کی آگ اُس کے وجود کا حصہ بن گئی۔ یہ آگ وہ پیچھا نہ جانے کہاں کہاں لے جاتی تھی۔ گلیوں میں شور مچاتے ایک دیوانہ، کپڑے پھٹے ہوتے اور بال بکھرے ہوئے۔ گلی میں چلتے چلتے آپ اچانک دوڑنا شروع کر دیتے۔ آپ شرق پور میں کم کم نظر آتے۔ دن دن بھر اور رات رات بھر بیابان و گورستان میں اسمِ ذات کا ورد کرتا رہتے۔ ہوتے ہوتے آپ دونوں ہفتوں گھر سے غائب رہنے لگے۔ اس بے قراری میں ایک روز قبرستان سے گزر رہے تھے کہ سرود کی آواز نے آپ کے قدم روک لیے۔ سرود بجانے والے کو آپ ادھر اُدھر ڈھونڈ رہے تھے۔ قریب ہی خواجہ محمد سعید کا مدفن تھا۔ آواز انھی کی قبر سے آ رہی تھی۔ آپ وہاں جا پہنچے اور سرود سنتے رہے پھر کہا "ابھی ہم سرود میں پڑے ہو" یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور سخی شاہ بخاری کے مزار پر جا کے آپ نے دم لیا۔ آپ کی حالت متغیر ہو گئی تھی۔ آپ مزار پر گر پڑے۔ کچھ دیر بعد آپ کو ہوش آیا تو آپ سخی شاہ کو مخاطب کر کے بولے "گرانا ہی جانتے ہو۔" لوگ کہتے ہیں کہ یہ جملے ابھی آپ کی زبان سے ادا ہی ہوتے تھے کہ اطراف میں خوشبو پھیل گئی۔ بعد میں آپ کو لوگ وہاں سے اُٹھا کے شرق پور لے آئے۔

مگر اب شرق پور میں آپ کا جی بالکل نہیں لگتا تھا۔ آپ اکثر اپنے مرشد بابا امیرالدین کے پاس چلے جاتے اور ہفتوں مہینوں وہیں رہتے۔ کہاں تو آپ بیعت کے لیے تیار نہ ہوتے تھے اور کہاں اب مرشد کی معیت کے لیے آپ کو بے کلی ہونے لگی۔ آپ ہر وقت اُن کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اُن کی ایک جنبشِ ابرو کے منتظر اور اُن کی ایک نگاہِ التفات کے آرزو مند۔ مرشد کے لیے آپ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، چکی پیستے، پانی بھرتے اور کپڑے دھوتے۔ ایک روز بابا نے چائے کی خواہش کی۔ بارش ہو رہی تھی۔ اُس دن ایندھن میسر نہیں ہوا۔ آپ نے اپنی پگڑی اُتار کے جلا دی اور چائے تیار کر کے بابا کی خدمت میں لے آئے۔ بابا امیرالدین جب بھی شرق پور آتے، آپ اُن کی خاطر و مدارات میں رات دن ایک کر دیتے۔ دور تک اُن کی سواری کے ساتھ دوڑ کر جاتے۔ وہ بھی آپ پر خاص نظر رکھتے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ نہ صرف آپ ان کے ہو گئے تھے بلکہ وہ بھی ہر وقت آپ کا دم بھرتے تھے۔ بابا امیرالدین کی نگرانی میں آنے کے بعد ایک طرح سے آپ کی تعلیم و تربیت کا از سرِ نو آغاز و اعادہ ہوا۔ اُن کے حکم پر آپ نے انبیاء، ائمہ اور صوفیا کی سوانح اور شریعت و طریقت پر کئی بنیادی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ رفاقت کو دن گزر گئے تھے۔ ایک روز بابا امیرالدین نے آپ پر لطف و کرم کا سلسلہ اور دراز کر دیا۔ انھوں نے آپ کے نام خلافت نامہ تحریر کیا اور خرقہ عطا کیا۔ آپ چند دن چپ رہے پھر ایک دن موقع پا کے آپ نے معذرت کر لی کہ وہ خود کو اس مرتبت کا سزاوار نہیں سمجھتے۔ بابا امیرالدین نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ کوئی ڈھائی برس گزر گئے۔ ایک روز مرشد نے پھر آپ کو طلب کیا اور کہا "مجھے مرشد مانتا ہے تو میرے حکم کی تعمیل بھی کر۔ جو میں کہتا ہوں اُسے غور سے سن اور بہتر ہے کہ مزید پس و پیش نہ کر۔ اب میرا وقت زیادہ دور نہیں۔ آگے تیرا بھی کچھ کام ہے۔ میں تجھے جہاں جانے کو کہتا ہوں وہاں جا کے خلقِ خدا کی خدمت کر۔ اسی میں تیری فلاح ہے اور یقین کر کہ اس وظیفے سے افضل کوئی کام نہیں ہے۔ سو جو کچھ تیرے پاس ہے اُس کی تقسیم میں بخل نہ کر اور جو کچھ نہیں ہے اُسے حاصل کرنے کے لیے پیدا کرنے والے سے آس لگائے رکھ۔ سب کچھ تیری طلب ہی پر منحصر ہے یا تیرے نصیب پر۔" آپ کے لیے مفر کی گنجائش نہ رہی۔ پیر و مرشد نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے خرقہ پہنایا اور دستار

تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں

—— امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

باندھی تو آپ نے مرشد کی سندِ خلافت سے آنکھوں سے لگائی۔

جلد ہی اطراف واکناف میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ شرق پور کے میاں عزیز الدین کے دیوانے فرزند شیر محمد کو کوٹلہ پنجو بیگ کے پیرِ طریقت بابا امیر الدین نے خلافت کی سند سے سرفراز کیا ہے۔ نزدیک و دور سے لوگ کشاں کشاں آپ کو دیکھنے اور سپاس گزاری کرنے آنے لگے۔ آپ بھیڑ بھاڑ کے عادی نہ تھے شروع شروع میں آپ ان سے کتراتے تھے کوئی بیعت کے لیے کہتا تو صاف انکار کر دیتے۔ لوگوں نے بابا سے آپ کی شکایت کی کہ تمہارا کیسا نائب ہے جو بیعت لینے سے انکاری ہے اور اپنے پاس آنے والوں سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ بابا کی ہدایت پر آپ کو لوگوں کے مطالبے پورے کرنے پڑے تاہم آپ کا خیال تھا کہ بیعت تو بک جانے کو کہتے ہیں اور اب اس نفسا نفسی کی دنیا میں کون کس کے ہاتھوں بکتا ہے۔ اب تو بیعت ایک رسم ہو کے رہ گئی ہے۔

بابا امیر الدین کی خانقاہ میں لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن رفتہ رفتہ آپ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ غیر منقسم پنجاب میں اس کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔ جب وہ بابا امیر الدین کے حکم پر شرق پور لوٹے آپ کا استقبال ایک مرشدِ کامل کے طور پر کیا گیا اور وہ حضرت میاں صاحب شرق پوری کی حیثیت سے یاد کیے جانے لگے شرق پور کے لوگ خود آپ کے بچپن سے جوانی تک کے گواہ تھے۔ بابا امیر الدین کی خلافت آپ پر مستزاد ثابت ہوئی۔ آپ کے متعلق ان کے ذہنوں میں اگر کوئی ابہام تھا تو بابا امیر الدین کی سفارش کے بعد اس کا کوئی جواز نہ رہا۔ ہر چند کہ ان معاملات میں آدمی خود اپنی سفارش اپنی ضمانت ہوتا ہے اور انہی معاملات میں کیا زندگی کے ہر معاملے میں سفارشوں اور ضمانتوں کی دیرپائی آدمی کے اپنے ہی عمل پر منحصر ہے۔ میاں امیر الدین نے ظاہر ہے شرق پور والوں کے لیے کوئی بُت بنا کے نہیں بھیجا تھا۔

☆ شرق پور میں بابا امیر الدین کی ہدایت کے مطابق میاں شیر محمد نے شرق پور میں مسندِ ولایت سنبھال لی تھی۔ ان کے پاس آنے والوں کو اپنا تعارف کرانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ میاں صاحب خود ان کا مدعا بھی بیان کرتے اور مداوا بھی کر دیتے۔ آنے والوں کی خلوت و جلوت کا میاں صاحب کو ایسے علم ہو جاتا تھا جیسے سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے گزرا ہو۔ براہِ راست بات کہنے کے بجائے وہ محفل میں ایک کی باتیں دوسرے کو مخاطب کر کے اس طرح سناتے کہ دیکھو، کیا زمانہ آ گیا ہے، لوگ اب اس روش پر چلنے لگے ہیں ایسا کرنے لگے ہیں ویسا کرنے لگے ہیں۔ جو شخص مخاطب ہوتا بخوبی سمجھ لیتا کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔ پھر وہ محفل سے توبہ کر کے ہی اٹھتا تھا۔

چند ہی دنوں میں میاں شیر محمد کے حوالے سے شرق پور میں ایک نئی خانقاہ کی بنیاد پڑ گئی جس کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے۔ آنے والوں کے لیے وقت اور موسم کی کوئی بندش نہ تھی۔ مشتاقانِ دید کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ کوٹلہ پنجو بیگ میں مرشد کی فاقت میاں شیر محمد کے لیے سائے کی طرح تھی۔ وہاں ان کے مضطرب سینے کو بڑی حد تک قرار آ گیا تھا یہاں شرق پور میں مرشد کا خرقہ پہن کر ان کے حال و احوال میں اور اعتدال آ یا لیکن کبھی کبھی مزاج کا وہی تلاطم عود کر آتا۔ جوش میں آ کے کسی کو طمانچہ تک رسید کر دیتے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعضے ان کے طمانچے کے لیے ترستے تھے اور اسے میاں صاحب کی توجہ اور قربت کی علامت سمجھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اب اندھیروں میں کوئی کمی ضرور ہو گی۔

خانقاہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک متمول شخص میاں صاحب کی خاک نشینی اور عبادت گزاری کا ذکر سن کے خانقاہ آیا۔ کھانے کا وقت تھا۔ میاں صاحب نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ اس شخص نے جواب دیا۔ جی ہاں میرا

بخدا میں نے اُن جیسا (امام ابوحنیفہؒ)

کوئی نہیں دیکھا ۔ اگر

وہ دعویٰ کرتے کہ یہ ستون سونے کا

ہے تو عقلی دلیل سے اُسے ثابت

کر دکھاتے : حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ملازم نیچے بیٹھا ہے۔ اُس کے لہجے سے ملازم کے لیے حقارت صاف محسوس کی جا سکتی تھی چنانچہ اُسے وہیں عام طریقے پر کھانا کھلایا گیا اور میاں صاحب خود نیچے جا کے ملازم کو اوپر لے آئے۔ اُسے بطورِ خاص اپنے پاس بٹھا کے طعام میں شریک کیا اور کہنے لگے، کیا ستم ہے کہ لوگ دنیا کے قلیل مال کو موجبِ عزت سمجھتے ہیں۔ یہ تو آخرت کے لیے وبال ہے۔ جتنا مال کم ہوگا اتنا حساب کم ہوگا۔

انھی دنوں کا واقعہ ہے، شرق پور میں پہلی بار طاعون پھیلا۔ ایک شخص وبا میں ہلاک ہوگیا۔ لوگ اُس کی میّت کے قریب نہیں پھٹک رہے تھے۔ ساری بستی میں کوئی اُس کے کفن دفن کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ میاں صاحب کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ایک ہم نشیں میاں محمد دین کے ہمراہ خود مرحوم کے مکان پر گئے۔ وہ اگر میّت مسجد میں لے جاتے تو لوگ جانے نہ دیتے، کنویں پر زمیں دار مانع تھا۔ آخر ایک کھیت میں چارپائی رکھی گئی اور غسل کا تختہ اور پانی کے مٹکے منگوائے گئے۔ مرحوم کے اقربا دور کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ میاں صاحب نے مرنے والے کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ میاں محمد دین پانی ڈالتے اور میاں صاحب جسم دھوتے۔ پھر میّت کو کفن پہنا کے سب لوگوں کے سامنے چارپائی پر رکھا اور مرحوم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور لوگوں سے بولے، "اب تو آجاؤ۔" لوگ ٹھیر نہ سکے۔ سب نے بڑھ کے جنازہ کندھوں پر اٹھا لیا۔ میاں صاحب نے میّت کو خود لحد میں اتارا اور دفنایا۔

ایک عورت کا نوجوان اور بے گناہ لڑکا قتل کے مقدمے میں گرفتار تھا مگر شہادتیں سب اُس کے خلاف تھیں۔ ماں اپنے بیٹے کے لیے جگہ جگہ انصاف مانگتی، آہ و بکا کرتی رہی لیکن ہر تاریخ پر بات اور خراب ہو جاتی۔ در در کی ٹھوکریں کھا کے وہ مایوس ہو چلی تھی کہ کسی نے اُسے شرق پور کی راہ دکھائی اور تاکید کی میاں صاحب سے تعویذ لکھوا کر لانا ورنہ کام نہیں ہوگا۔ وہ شرق پور بھی آئی، میاں صاحب خواتین سے نہیں ملتے تھے مگر عورت نے اصرار کیا کہ میں تو ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔ لوگوں نے کہا، حجت بے سود ہے، بہتر ہے کہ اپنا کام بتا، ہم تیرا سوال میاں صاحب کی خدمت میں گزار دیں گے۔ وہ بضد رہی کہ میں خود اُن سے مل کے التجا کروں گی۔ وہ کسی طرح وہاں سے ٹلنے پر آمادہ نہیں تھی اور مکان میں داخل ہونے کے لیے بے قرار نظر آتی تھی۔ لوگوں نے بمشکل اُسے روکا اور اُن میں سے کسی نے اُسے مشورہ دیا کہ گلی کے کنارے بیٹھ جاؤ، میاں صاحب گزریں تو بات کر لینا۔

اُس نے ایسا ہی کیا۔ میاں صاحب مسجد جانے کے لیے گھر سے نکلے تو عورت نے اُن کا راستہ روک لیا اور دہائیاں دینے لگی۔ میاں صاحب نے لوگوں سے کہا، اس سے کہو کہ کنارے ہو جائے اور پریشانی بتائے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور فریادی ہوئی کہ میرا لڑکا بے گناہ ہے اور فیصلے کی تاریخ آگئی ہے۔ میں تعویذ لینے آئی ہوں، اس کے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔ میاں صاحب نے کہا، بی بی جا! گھر لوٹ جا، تیرا بیٹا بری ہو جائے گا۔ عورت اُڑی رہی کہ اُسے تعویذ لکھ کر دیا جائے۔ گلی کے لوگوں اور میاں صاحب کے مریدوں نے اُسے سمجھایا، چاہا کہ وہ اطمینان رکھے، خدا نے چاہا تو جیسا میاں صاحب نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا، میاں صاحب تعویذ نہیں لکھتے۔ عورت سسکیاں بھرنے لگی اور تعویذ کے لیے منت کرتی رہی۔ میاں صاحب کو اندازہ ہوگیا کہ یہ اس طرح نہیں ٹلے گی۔ انھوں نے کاغذ کا ایک ٹکڑا طلب کیا اور کچھ لکھ کے عورت کے حوالے کر دیا۔ اب اُس کی تسلی ہوئی اور وہ میاں صاحب کو دعائیں دیتی چلی گئی۔

فیصلے کی تاریخ آگئی۔ انگریز کی عدالت تھی۔ تمام کارروائی انگریزی میں ہوتی رہی۔ جج نے پورا فیصلہ انگریزی ہی میں سنایا اور خلافِ معمول کٹہرے میں کھڑے ہوئے نوجوان سے اردو میں مخاطب ہو کے کہا، "جاؤ ہم تم کو بری کرتا ہے۔" تمام کارروائی لڑکا کے خلاف جا رہی تھی۔ لہٰذا سب حیرت زدہ رہ گئے کہ فیصلہ اُس کے حق میں کیسے ہو گیا مگر لڑکے کی ماں کو کوئی تعجب نہ تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ سب میاں صاحب کے تعویذ اور اُن کی دعاؤں کی کرشمہ سازی ہے۔ وہ لوگوں سے کہتی تھی، میں میاں صاحب کے تعویذ جو لائی تھی۔ بعض تجسّس پسندوں کو بے چینی ہوئی کہ آخر میاں صاحب نے ایسا کون سا عمل تعویذ پر لکھا تھا۔

نوجوان رہا ہو کے گھر آگیا تھا چنانچہ اب تعویذ کھول کر دیکھنے میں انھوں نے کوئی حرج نہ سمجھا۔ تعویذ دیکھا گیا تو سب کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ کاغذ کے ٹکڑے پر یہ عبارت تحریر تھی، "جاؤ ہم تم کو بری کرتا ہے۔"

میاں صاحب کی زبان میں بہت حلاوت تھی۔ وہ نہایت نرم، سادہ اور دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔ لکھنے میں بھی کلام کی سلاست و بلاغت قائم رہتی۔ اُن کا اندازِ بیاں ایسا دل نشیں تھا کہ بات سننے والوں کے رگ و ریشہ میں اتر جاتی تھی۔ سلفِ صالحین کے بے شمار واقعات انھیں ازبر تھے۔ انھی کی مثالوں

Marfat.com

کے ذریعے وہ لوگوں کو تلقین کرتے تھے۔ یہ واقعات سن کے لوگ کبھی زار و قطار رونے لگتے۔ خود میاں صاحب پر بھی یہی کیفیت طاری ہو جاتی۔

کہتے تھے، سکھوں کو دیکھو، اپنے گرو کی تعلیمات پر کیسا عمل کرتے ہیں۔ نہ جانے ہم مسلمان انگریزوں کی تقلید کے کیوں اتنے دلدادہ ہیں۔ سکھوں کی داڑھی کیا اُن کی زندگی کے مشاغل، اُن کی تعلیم اور نوکری میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اُن پر کوئی حرف نہیں کرتا۔ انھیں کسی کا ڈر نہیں ہے۔ لیکن ہم حجامت نہیں کروائیں گے، داڑھی ضرور منڈوائیں گے۔ کیا انگریزوں کو یہ جتانا مقصود ہے کہ مذہب سے ہمارا تعلق اتنا گہرا نہیں ہے؟ میاں صاحب اکثر لوگوں سے پوچھتے کہ کتنے برس انگریزی پڑھی ہے؟ جواب ملتا، دو برس، تین برس، پانچ برس وغیرہ۔ میاں صاحب پوچھتے، ذرا بسم اللہ کے معنی تو بتاؤ۔ لوگوں کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔ انگریزوں کے اقبال کا سورج اُس وقت ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ میاں صاحب کوئی سیاسی سماجی کارکن نہیں تھے، نہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے والی کسی تنظیم کے رُکن مگر فرنگی کے خلاف بے دھڑک باتیں کرتے۔ جانے کتنے اپنے پاس آنے والوں کے جسم و جاں سے انھوں نے فرنگیوں کے جاہ و حشم کا سحر توڑا اور انھیں سر اٹھانے کا حوصلہ دیا۔

کبھی کچھ بدگماں لوگ انھیں آزمانے کے لیے بھی آتے۔ میاں صاحب کی بازیگری خود اُن کی ذات تھی اور اُن کے شب و روز کھلی ہوئی کتاب کے مانند تھے۔ اُن کے ساتھ ایک پہر دو پہر گزار کے لوگ خود منفعل و محجوب واپس چلے جاتے۔ میاں صاحب کا یہ تھا کہ کسی میں کوئی عیب نظر آتا تو بتانے میں ذرا بھی تردد نہ کرتے، کسی نہ کسی طرح اسے ٹوکتے ضرور چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ حاکم ہو یا محکوم، غریب ہو یا مال دار، اجنبی ہو یا رشتے دار، لوگ خندہ پیشانی سے اُن کی بات سن لیتے تھے اس لیے کہ کہنے والا کوئی دوسرا نہیں، میاں شیر محمد تھے۔

بیان کے اثر میں نیت اور عزم کا بڑا دخل ہوتا ہے اور دل سوزی کا بھی۔ عمل و کردار کا اثبات بھی کلام میں قوت کا سبب بنتا ہے۔ مسلمان ہی نہیں، میاں صاحب کے پاس غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آنے لگے تھے۔ انھیں بھی میاں صاحب کے دروازے پر کچھ کم مرتبہ نہیں دیا جاتا تھا۔ ایک بار ایک سکھ آیا اور ایک کونے میں چپکا بیٹھا رہا۔ میاں صاحب نے اُسے دیکھ لیا تھا لیکن وہ بھی خاموش رہے۔ سکھ کچھ دیر تک اپنی جگہ سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر یکایک اٹھا اور ہاتھ جوڑ کے جانے کی اجازت مانگنے لگا۔ "دھنیہ ہو مہاراج، میرا برسوں کا کام بن گیا۔" اُسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر مولوی اصغر علی کا بیان ہے،

"مجھے شدید بخار ہو گیا تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ کسی شخص کو صبح حضرت میاں صاحب کی خدمت میں شرق پور روانہ کروں تاکہ وہ میرے لیے صحت کی دعا بھی کرائے اور پانی دم کرا کے لائے۔ رات تکلیف میں گزری۔ صبح فجر کا وقت تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولا تو کیا دیکھا، سامنے حضرت میاں صاحب کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے اور میری چارپائی پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے حال پوچھا۔ پھر تین چار منٹ بیٹھے ہوں گے کہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے، 'مریض کے پاس زیادہ بیٹھنے سے اُسے تکلیف ہوتی ہے، اور پھر والدہ نے فرمایا تھا کہ جلد آ جانا۔ اس لیے اب جاتا ہوں۔'" مولوی اصغر علی صاحب نے لکھا ہے کہ میں اُس دن چارپائی سے چاق و چوبند اٹھا۔ میں سوچتا ہوں کہ رات کو میں نے اطلاع دینے کا خیال ہی کیا تھا۔ نہ معلوم، میاں صاحب کب شرق پور سے چلے تھے جب کہ موٹر نہیں چلتی تھی۔ یکے ہوتے تھے جو شام تک چلتے تھے اور دن چڑھے سواری ملتی تھی۔

ایک رات میاں صاحب اپنی مسجد کی چھت پر نفل ادا کر رہے تھے کہ کوئی شخص آیا اور مسجد کے کنویں سے پانی نکالنے لگا۔ میاں صاحب فوراً نیچے آ گئے۔ انھوں نے دُور ہی سے اُس شخص کو ٹھیر جانے کی ہدایت کی اور کہا کہ پہلے دیا لاؤ، پھر ڈول نکالنا۔ ایک دُوسرا نمازی بھی اُن کی آواز سُن کے آ گیا تھا۔ وہ بھاگ کر اندر سے دیا اُٹھا لایا۔ میاں صاحب نے کہا: "اب ڈول نکالو۔" ڈول نکال کے زمین پر رکھ دیا گیا۔ میاں صاحب نے دیا ڈول کے سامنے کرنے کو کہا۔ دونوں آدمیوں نے دیے کی روشنی میں ڈول کے اندر جھانک کے دیکھا تو گھبرا کے ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ ڈول میں سانپ تھا۔ انھوں نے اُسے فوراً الٹ کر دیا اور میاں صاحب سے سوال کیا: "حضرت! آپ تو اُوپر چھت پر تھے، آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ ڈول میں سانپ ہے؟" میاں صاحب نے ہنس کر کہا: "ہم جس کی عبادت کر رہے تھے، وہی سب کچھ بتاتا ہے۔"

حاجی فضلِ الٰہی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میاں صاحب سرہند جا رہے تھے۔ راستے میں ایک اسٹیشن پر وضو کے لیے وہ پانی لینے اُترے،

Marfat.com

پانی لے کے واپس ہوئے تو ڈبے کے دروازے کے پاس ایک خوش وضع سکھ جوان فوجی وردی میں کھڑا تھا۔ میاں صاحب نے ایک نظر اُسے غور سے دیکھا اور کہا: "لڑکے! تیری صورت تو مسلمانوں جیسی ہے۔" اُس جوان نے توجہ نہیں کی اور تندی سے کہا: "جاؤ، اپنا کام کرو بڑے میاں"۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ میاں صاحب نے اپنا کام ہی تو کیا ہے۔ وسل ہوئی اور گاڑی چل پڑی۔ اچانک سکھ جوان دوڑتا ہوا ڈبے میں آیا اور آتے ہی میاں صاحب کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ ملتجی تھا کہ "مجھے مسلمان بنا لیجیے"۔ میاں صاحب نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

* "خزینۂ کرم" نامی کتاب میں میاں صاحب کے ایک باصفا رشتہ دار ڈاکٹر نواب الدین مرحوم کے حوالے سے درج ہے کہ شرق پور میں ایک نومولود بچہ ہر وقت روتا رہتا تھا۔ علاج معالجے سے صحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ ہر طرف سے مایوسی کے بعد آخر اُسے میاں صاحب کے پاس لایا گیا۔ وہ برابر روئے جا رہا تھا۔ میاں صاحب نے اُسے دیکھ کے صرف اتنا کہا: "اسکے ای اوئے۔ سانوں تے رون دا ول اج تک نہیں آیا۔ توں تے ہر وقت رونا ایں"۔ میاں صاحب کا یہ کہنا تھا کہ بچہ خاموش ہو گیا حالانکہ وہ جب سے پیدا ہوا تھا گھڑی بھر بھی چپ نہ ہوا تھا۔

ایک دفعہ دس گیارہ افراد کا ایک قافلہ میاں صاحب کی معیت میں کہیں جا رہا تھا۔ "خزینۂ معرفت" کے مؤلف صوفی محمد ابراہیم بھی قافلے میں شامل تھے۔ سب لوگ میاں صاحب کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ میاں صاحب بار بار اُن سے ساتھ چلنے کے لیے کہتے لیکن مرید احتراماً پیچھے ہی رہے۔ آخر میاں صاحب کو سرسری لہجہ ترک کر کے انھیں حکم دینا پڑا۔ سب کو تعمیل کرتے ہی بنی۔ سب اُن کے آگے آگے چلنے لگے۔ صوفی محمد ابراہیم نے بلند آواز میں کہا کہ "اجڑی اگے تے چرواہا، ہمیشہ پیچھے ہوتا ہے، بھیڑیں آگے آگے"۔ میاں صاحب نے یہ سنا تو تیزی سے آگے بڑھ گئے اور سب سے آگے ہو کے کہنے لگے۔ "نہیں، میں بھیڑ اور تم سب اجڑی"۔

اُن کی غذا، لباس، نشست و برخاست، رہن سہن اور انداز و اطوار میں اپنی ذات کی نفی کا عمل نمایاں تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا نام لکھنے سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ مدرسے کے زمانے میں لکھا ہو تو لکھا ہو، بعد میں کبھی انھوں نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام نہیں لکھا۔ محفل میں وہ ہمیشہ دو زانو بیٹھتے اور مریدوں کو بھی یہی تلقین کرتے۔ کسی کو اپنے پاس بلانے کے بجائے وہ خود اُس کے پاس چلے جاتے تھے اور لوگوں کے

مشہور ولی حضرت حاتم اصم کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہرے تھے۔ ایک روز اُن کے قریب ایک مکھی مکڑی کے جالے میں پھنس گئی اور بھنبھنانے لگی۔ حضرت حاتم نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "لالچی مکھی! ہر جگہ شکر، شہد اور قند نہیں ہوتا۔ بہت سے گوشوں میں پھندا اور جال بچھا ہوتا ہے"۔ مکھی اڑ گئی۔ لوگوں نے حضرت حاتم سے پوچھا "حضور! آپ نے مکھی کی بھنبھناہٹ کیسے سن لی؟ آپ تو بہرے ہیں"۔ حاتم اصم مسکرائے "بھائی! میں حقیقت میں بہرا نہیں ہوں لیکن بہرا بنا رہتا ہوں تاکہ لوگ میرے سامنے میرے عیب بیان کریں اور میں اپنے عیبوں پر قابو پا سکوں"۔

"حکایاتِ سعدی"

ساتھ زمین ہی پر بیٹھ جاتے۔ مسجد سے نکلتے وقت وہ دایاں پاؤں پہلے نہیں نکالتے تھے۔ کسی کے جوتے غلط رکھے ہوں تو میاں صاحب اپنے ہاتھوں سے قبلہ رو کر دیتے۔ حکیم پیر بخش تلوکی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے اُن سے کہا کہ آپ کا فلاں مرید سلام عرض کرتا تھا۔ میاں صاحب مرید کا لفظ سُن کے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنی داڑھی پکڑ کے بولے: "یہ منہ بھلا پیر بننے کے لائق ہے؟" حکیم پیر بخش کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے جن مذموم لفظوں سے اپنے وجود باجود کو مخاطب کیا تھا میرا قلم انھیں دہرانا پسند نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ قصور میں میاں صاحب کچھ احباب کے ساتھ سڑک سے گزر رہے تھے۔ راستے میں ایک بھنگن نظر آئی۔ وہ بازار کا کوڑا کرکٹ ٹوکری میں بھرے کھڑی تھی۔ اُس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا اس لیے اُسے ٹوکری اٹھانے میں دشواری ہو رہی تھی۔ میاں صاحب نے یکایک لپک کے اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹوکری اٹھائی اور بھنگن کے سر پر رکھ دی۔ احباب دیکھتے رہ گئے۔

شرق پور کا واقعہ ہے۔ میاں صاحب ایک صبح اپنے مکان میں بیٹھے تھے۔ اُن کا مکان رفتہ رفتہ ایک خانقاہ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایک بڑھیا اندر چلی آئی اور بڑے درد سے بولی "بابا! تم بہت لوگوں سے سلوک کرتے ہو، میری بھی ایک آرزو پوری کر دو۔ میں نبی جی کا روضہ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میاں صاحب نے نرمی سے کہا: "مائی! درود شریف پڑھا کرو اور پڑھتے وقت خیال کیا کرو کہ تم وہیں ہو"۔ بڑھیا نے اسی وقت یہ تصور کر کے درود شریف پڑھا اور بے اختیار پکار اٹھی: "خدا کی قسم، میں روضے کے سامنے ہوں"۔ وہ سرخوشی میں چلانے لگی "میں روضے کے سامنے ہوں، میں روضے کے سامنے ہوں"۔

میاں صاحب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ

Marfat.com

گھر سے ہوسکتا کہ لوگ کسی جھگڑے کا پردہ بھی نہیں رہنے دیتے۔ "بھڑوے" لفظ انھوں نے اپنے لیے کہا تھا۔ نقل میں تبدیلی نازولبے اسی لیے بیان بجنسہٖ یہ لفظ دُہرا دیا گیا ہے۔ وہ اس طرح اپنا نفس مارتے تھے۔ یہ شیوہ میاں صاحب ہی کا نہیں تھا۔ نام وروں میں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

پروفیسر ضیاء الحق نے اپنے والد مولانا اصغر علی رُوحی کا ایک چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ مولانا روحی ایک روز میاں صاحب کے مکان پر گئے۔ میاں صاحب ڈیوڑھی میں کتوں کو ٹُکیاں کھلا رہے تھے۔ ایک کُتیا نہایت لاغر تھی، انھوں نے اُس کے سامنے ٹکڑا رکھا تو ایک موٹے تازے کتے نے جھپٹ لیا۔ میاں صاحب نے کتے سے کہا: "تم نے کیوں اٹھالیا، یہ تمھارا حصّہ تو نہیں تھا۔" کتے نے ٹکڑا فوراً چھوڑ دیا اور نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ کتیا کے آگے کر دیا۔ گلی کے کتوں کو ٹُکیاں ڈالنا میاں صاحب کے معمولات میں شامل تھا۔

ایک روز میاں صاحب نے ایک گدھے کو بوجھ اٹھائے، مرجھایا اور تھکا ہوا دیکھا۔ وہ بے تاب ہوگئے اور قریب جا کے اس کی بلائیں لینے لگے۔ انھوں نے گدھے کی گردن چومی اور رقت سے بولے "سوہنیا، تو اتنا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے۔" یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے صوفی محمد ابراہیم نے لکھا ہے کہ "ممکن ہے بعض طبقوں میں اعتراض پیدا ہو لیکن یہ بھی سالک کا ایک مقام ہے جسے محبتِ عامّہ کہتے ہیں۔"

صوفی محمد ابراہیم نے اپنے تذکرے "خزینۂ معرفت" میں ایسی کئی مثالیں درج کی ہیں، خصوصاً حضرت شبلی کا واقعہ کہ ایک دفعہ وہ راستے میں تھے، ایک بیل کو کسی نے لاٹھی مار دی، حضرت شبلی کی چیخ نکل گئی۔ لوگوں نے چیخ کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کمرے کُرتا اٹھا کر دکھایا، لاٹھی کا نشان اُن کی کمر پر موجود تھا۔

حکیم محمد اشرف نے لکھا ہے کہ اُن کے والد حکیم محمد اسحاق اپنے دفتر واقع گنگا رام بلڈنگ لاہور میں مصروفِ کار تھے۔ انھوں نے اچانک ایسا محسوس کیا جیسے میاں صاحب انھیں یاد کر رہے ہیں۔ وہ کام چھوڑ چھاڑ کے شرق پور چل دیے۔ چوبرجی پہنچ کے وہ تانگے میں سوار ہوئے۔ تانگا جو جنگ پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ اب دریائے راوی عبور کرنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ حکیم صاحب فکرمند تھے کہ کہیں ملاح نہ چلے گئے ہوں لیکن یہ جان کے اطمینان ہوا کہ ایک ملاح ابھی موجود ہے۔ ملاح گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ حکیم صاحب کو دیکھ کے بولا "آ جاؤ بیٹا! آج شاید تمھاری وجہ سے دیر ہوگئی ورنہ اس وقت تک میں گھر چلا جاتا ہوں۔" حکیم صاحب نے اُس کی کشتی میں دریا پار کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر عام لمبے راستے کے بجائے جنگل سے گزرنے والا مختصر راستہ اختیار کیا۔ ابھی نصف راستہ انھوں نے طے کیا ہوگا کہ سرکنڈوں میں سے دفعتہً ایک خوفناک بھیڑیا نمودار ہوا اور حکیم صاحب سے کوئی دس قدم پہ کھڑا ہوگیا۔ حکیم صاحب سہم کے رہ گئے۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ بھیڑیا ایک جست میں اُن تک پہنچ سکتا تھا۔

حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ معاً میرے دل میں میاں صاحب کا خیال آیا اور میں نے آنکھیں بند کرلیں، پھر چند منٹ بعد میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو بھیڑیا جا چکا تھا۔ حکیم صاحب آگے بڑھے اور شام پشتم شرق پور پہنچے۔ میاں صاحب عشا کی نماز باجماعت ادا کر رہے تھے۔ حکیم صاحب بھی جماعت میں شامل ہوگئے۔ نماز کے بعد میاں صاحب سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب پر اب بھی خوف و ہراس طاری تھا۔ میاں صاحب انھیں دیکھ کے مسکرانے لگے۔ "لالے! اج تے توں بڑا ای تھکایا اے۔ ساڈوں تے کھلیاں پے گیاں نے۔ اگوں توں سدھے راہ آیا کر۔ ایہہ نہیں ہو سکدا اسی کہ میرا بیلی یاد کرے تے میں نہ پہنچاں"۔

ترجمہ: آج تو تم نے مجھے بڑا ہی تھکا دیا ہے، میں تھک کر چُور ہوگیا ہوں۔ آئندہ سیدھے راستے سے آیا کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میرا مرید یاد کرے اور میں نہ پہنچوں۔

ایک دفعہ میاں صاحب سیّد امام علی شاہ کے عرس میں شریک تھے۔ عصر کے وقت کچھ شور سنائی دیا۔ معلوم ہوا کہ زائرین میں سے کسی کا لڑکا فوت ہوگیا ہے۔ میاں صاحب نے کہا "دیکھو تو سہی کہیں سکتے کے عالم میں نہ ہو۔ اس کے تلوے اور ہتھیلیوں کی مالش کرو، انشاء اللہ ہوش میں آجائے گا۔" لوگوں نے یہی کیا۔ لڑکے کو واقعی ہوش آگیا۔ میاں صاحب نے اُس کے والدین کو ہدایت کی کہ اسے فوراً گھر لے جاؤ۔ یہ رات کو یہاں ہرگز نہ رہے۔ والدین فوراً لڑکے کو اپنے گاؤں لے گئے۔ وہ لوگ ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ لڑکا فوت ہوگیا۔ بعد میں میاں صاحب سے کسی نے اس واقعے کے متعلق دریافت کیا۔ میاں صاحب بولے کہ "دراصل وہ قبلۂ عالم سیّد امام علی شاہ کے عرس شریف کا موقع تھا۔ میں نے ربّ العزت سے دعا کی تھی کہ چند گھنٹوں کے لیے لڑکے کو زندگی دے دے تاکہ عرس شریف خوشی خوشی اختتام پذیر ہو۔"

میاں منظور حسین ساکن سانده کلاں کا بیان ہے کہ "میری عمر تقریباً بائیس سال کی تھی۔ ۱۹۲۳ء میں اپنے دیگر رشتے داروں کے ہمراہ مجھے اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرق پوری کی خدمت میں حاضری کا شرف

Marfat.com

ملا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اعلیٰحضرت نے مجھے سلسلۂ عالی میں بیعت کر لیا اور میں ہر ماہ باقاعدگی سے اُن کی خدمت میں شرق پور حاضر ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ رام پور کا ایک نواب زادہ خدمت میں باریاب ہُوا اور دو ہزار روپے کی ایک تھیلی اور ایک شیشی عطر نذر کے طور پر پیش کی۔ نواب زادے کی داڑھی نہیں تھی۔ میاں صاحب نے نام دریافت کیا۔ نواب زادے نے کہا: "اسد علی"۔ میاں صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ نواب زادے کے چہرے پر پھیرتے ہوئے کہا کہ "نواب! کیا علی کی شکل ایسی ہی تھی؟" نواب زادے پر رقت طاری ہوگئی عرض کیا "حضور! یہ نذر قبول فرمائیں"۔ میاں صاحب نے کہا کہ "اس شیشی میں غریبوں کا خون ہے اور تھیلی میں اُن سے جبری وصول کیے ہوئے ٹیکس کا روپیہ، میں یہ قبول نہیں کر سکتا۔ میرا رازق اللہ تعالیٰ ہے، آپ میرے رازق نہیں ہیں۔"

ایک مرتبہ میاں صاحب سے ایک شخص نے کہا کہ "حضور! میں بڑا تنگ دست ہوں، میرے لیے دعا فرمائیے"۔ میاں صاحب نے اُس کے لیے دعا کی اور کہا: "لکڑی کا کام کرو۔"

اُس شخص نے یہ بات گرہ میں باندھ لی اور لکڑی کا کام شروع کر دیا۔ ابتدا ہی میں اُسے پندرہ سو روپے کا فائدہ ہوا۔ وہ شرق پور آیا۔ میاں صاحب قصور گئے ہوئے تھے۔ وہ قصور گیا مگر میاں صاحب وہاں سے بھی چل چکے تھے۔ وہ شخص پھر شرق پور آیا۔ میاں صاحب اُسے دیکھ کے برہم ہو گئے اور بولے۔ "دیکھو! اب شرق پور نہ آنا ورنہ سارا معاملہ اُلٹ جائے گا۔" وہ شخص وہیں شرق پور ہی میں ٹھہر گیا اور کئی روز ٹھہرا رہا۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ تم جاتے کیوں نہیں؟ اُس نے کہا کہ "میاں صاحب نے دوبارہ آنے کو منع کیا ہے۔" یہ بات میاں صاحب کو بتائی گئی۔ وہ مسکرانے لگے۔ پھر انھوں نے بخوشی اُسے اجازت دے دی کہ وہ جب چاہے شرق پور آ سکتا ہے۔

ایک روز میاں صاحب اپنے ایک ساتھی کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انھیں ایک مٹکا نظر آیا۔ میاں صاحب نے اُس میں سے پانی پینا شروع کر دیا۔ اُن کے ساتھی نے کہا کہ "یہ مٹکا اچھا معلوم نہیں ہوتا، اس کا پانی نہ پیجیے۔" میاں صاحب نے انکسار سے کہا "بھئی میں تو ایسا پانی پینے کے لائق بھی نہیں ہوں۔"

دھوبی گھاٹ شرق پور کے ٹیلی ماسٹر میاں امام دین کہتے ہیں کہ میاں صاحب کسی سائل کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک حاجت مند اُن کے پاس مالی امداد کے لیے آیا۔ شرق پور میں داخل ہوتے وقت اُس نے سوچا کہ میاں صاحب کے سامنے وہ اپنے آپ کو سید ظاہر کرے گا تو وہ زیادہ توجہ فرمائیں گے چنانچہ اُس نے میاں صاحب کو یہی بتایا کہ وہ سید ہے۔ میاں صاحب نے اُس کی مدد کی اور اُسے رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور تک اُس کے ساتھ گئے۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ ٹھیر گئے اور بولے: "سنو! یہی وہ مقام ہے جہاں تمھارے دل میں سید بننے کا خیال آیا تھا۔ تمھاری عزت اور توقیر اسی جگہ تک ہے۔ اب میں واپس جاتا ہوں۔"

میاں صاحب کہتے تھے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے اس لیے بھوک اور پیاس سے شیطان کا راستہ تنگ کرو۔ اگر فرعون بھوکا رہتا تو خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ بھوکے رہنے سے گناہ اور شہوت کے کاموں کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ اتنا کھاؤ کہ معدہ ثقیل نہ ہو، نہ بھوک کی محسوس ہو، اتنے بھوکے بھی نہ رہو کہ ضعف سے کسی کام کے نہ رہو۔ اُن کا قول تھا کہ جو آدمی چالیس دن مشتبہ مال کھاتا ہے اُس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ وہ اکثر حضرت ابن عباس کی روایت بیان کرتے تھے کہ اللہ اُس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام کا لقمہ ہو۔ میاں صاحب کو ابتدا ہی سے فاقہ کشی اور مجاہدوں کی عادت تھی۔ کبھی کبھی تو ہفتوں کچھ نہ کھاتے۔ ایک مرتبہ دو ماہ تک اناج کو ہاتھ نہیں لگایا۔ نفلی روزے متواتر رکھتے تھے۔ کہتے تھے کہ دنیا دریا ہے، آخرت کنارا ہے اور تقویٰ کشتی ہے۔ تمام مخلوقات تین صفات کی حامل ہیں۔ فرشتے عقل رکھتے ہیں مگر خواہش اور غضب نہیں رکھتے۔ حیوان خواہش و غضب رکھتے ہیں مگر عقل نہیں رکھتے انسان یہ تینوں صفات رکھتا ہے۔ اگر وہ خواہش و غضب کو عقل کے تابع کر لے تو فرشتوں سے اعلیٰ درجہ پائے۔ اگر خلاف کرے تو حیوان سے بھی بدتر ہو جائے اور کہا کہ چھ آدمی چھ عیوب کے سبب دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ عرب کے لوگ تعصب اور عداوت کے سبب سے، گاؤں کے رئیس تکبر کے سبب سے، سوداگر دغابازی کے سبب سے، عامۃ الناس جہل کے سبب، حاکم ظلم کے سبب سے اور عالم حسد کے سبب سے نیکیاں جلا دیتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اپنے فیصلے شریعت و سنت کے مطابق کرو اور کچہریوں میں جا کے ذلیل و خوار نہ ہو اور خاموشی کے متعلق اُن کا کہنا تھا کہ خاموشی عجب چیز ہے۔ گوشہ نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ "اَلسُّکُوْتُ مِفْتَاحُ الْعِبَادَۃِ" یعنی سکوت عبادت کی کنجی ہے۔ "اَلسُّکُوْتُ مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی"۔ خاموشی رحمت الٰہی میں سے ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے میاں صاحب سے پوچھا: "میاں جی! خیر ہے؟" میاں صاحب نے کہا: "اعمال نامہ اگر دائیں ہاتھ میں ملا تو خیر ہے، ورنہ نہیں۔"

Marfat.com

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ میاں صاحب آدھی رات کے وقت بازار سے گزر رہے تھے۔ تھانے دار بھی گشت پر تھا۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ میاں صاحب کو دیکھ کے تھانے دار نے آواز دی۔ میاں صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ تھانے دار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ لاؤ۔ سپاہیوں نے کہا "یہ تو میاں صاحب ہیں سائیں لوگ ہیں۔" تھانے دار غیر مسلم تھا۔ کہنے لگا: "تم نہیں جانتے یہ وہ لوگ ہیں جو چوروں اور ڈاکوؤں کو پناہ دیتے ہیں۔" میاں صاحب نے یہ جملہ سن لیا لیکن کچھ کہا نہیں، گھر چلے آئے۔ دوسرے روز وہ آغا سکندر شاہ سے ملنے پشاور چلے گئے۔ اسی رات چوروں نے تھانے دار کا گھر لوٹ لیا۔ تھانے دار نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ میاں صاحب پشاور سے لوٹے تو وہ اُن کے پاس آیا اور معافی کا طلب گار ہوا۔ میاں صاحب مسکرا کے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ پھر وہ تھانے دار جب تک شرق پور میں تعینات رہا، برابر میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔

میاں صاحب کے خادم محمد دین کا بیان ہے کہ ایک بار میاں صاحب سید نورالحسن شاہ کے ہمراہ مکان شریف گئے۔ وہاں چارپائی پر زنجیروں سے جکڑے ہوئے ایک پاگل شخص کو لے کے لوگ حاضر ہوئے۔ میاں صاحب مسجد میں موجود تھے۔ عبادت میں مداخلت مناسب نہیں تھی اس لیے لوگ باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ چارپائی مسجد کی دیوار کے ساتھ رکھ دی گئی۔ میاں صاحب باہر آئے تو اُن کی نظر سب سے پہلے چارپائی پر پڑی۔ انھوں نے پوچھا کہ اسے کیوں جکڑا ہوا ہے؟ میاں صاحب کا یہ کہنا تھا کہ زنجیر میں جکڑے ہوئے شخص کی وحشت جاتی رہی اور وہ وحشت زدہ نظروں سے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مجھے کیوں باندھا گیا ہے؟ مجھے کھول دو خدا کے لیے کھول دو۔ میاں صاحب کے اشارے پر اُسے کھول دیا گیا۔

حافظ غلام یاسین قصوری نے لکھا ہے کہ میری شادی ہوئی تو میں نے دوسرے روز عشا کی نماز نہیں پڑھی ویسے ہی سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میاں صاحب آئے ہوئے ہیں اور غصے سے کہہ رہے ہیں: شادی کرتے ہی نماز چھوڑ دی؟ یہ کہہ کے انھوں نے دو تھپڑ بھی مارے۔ میں اُلٹ کے چارپائی سے نیچے جا پڑا۔ گھر کے سب لوگ حیران رہ گئے۔ مگر میں اُٹھ کے سیدھا مسجد کی طرف گیا اور جب میں نے نماز ادا کر لی، تب لوٹ کے گھر والوں کو اپنا خواب بتایا۔

میاں صاحب شاہ پور میں تھے۔ اُن کے خادم احمد الدین شاہ پوری نے اپنے کھیتوں کے بارے میں عرض کیا کہ "سرکار، چوہے فصل بہت خراب کر رہے ہیں۔" میاں صاحب نے پوچھا "تمھاری فصل کہاں ہے؟" احمد الدین انھیں کھیتوں پر لے گیا۔ میاں صاحب نے صرف اتنا کیا کہ ایک طرف سے کھیتوں میں داخل ہوئے دوسری طرف سے نکل گئے۔ چوہوں نے اس کے بعد فصل کا رخ نہیں کیا۔

حافظ غلام یاسین رمضان میں رات کو قرآن سناتے تھے، گرمی کی شدت کے سبب ایک دن انھوں نے روزہ نہیں رکھا۔ میاں صاحب نے مسجد کے امام کے نام ایک مراسلہ بھیجا کہ غلام یاسین سے کہو وہ رات کو کلام اللہ سناتا ہے۔ دن کو روزہ کیوں نہیں رکھتا۔

"خزینۂ معرفت" کے مؤلف صوفی محمد ابراہیم نے خواب میں سنا کہ "میاں صاحب اتوار کو قصور آ رہے ہیں"۔ رات نو بجے کی گاڑی سے۔ سردی کا موسم تھا۔ اتوار کی شام صوفی صاحب نے سات آدمیوں کا کھانا تیار کیا اور سماوار میں چائے بھر لی۔ گاڑی کے وقت وہ چھ سات احباب کے ہمراہ اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی آئی تو میاں صاحب اُترے۔ معانقے کے بعد انھوں نے پوچھا: "صوفی! کس نے خبر دی؟" صوفی جی نے برجستہ کہا۔ "تمنا آئی تھا۔" میاں صاحب کا چہرہ کھل اٹھا۔

ایک بار قصور میں میاں صاحب مولوی فضل حق کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ صوفی محمد ابراہیم نے درخواست کی کہ آج کھانا غریب خانے پر تناول فرمائیے گا۔ میاں صاحب نے مولوی فضل حق کی طرف اشارہ کیا کہ اِن سے اجازت لو۔ صوفی صاحب رقم طراز ہیں کہ میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا، وہ بہت مشکل سے آمادہ ہوئے۔ میاں صاحب کے ہمراہ تین آدمی تھے تاہم صوفی محمد ابراہیم نے گیارہ سیر بگھی چاول کے پلاؤ زردے

محل سرائے

حضرت ابراہیم ادہمؒ بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک روز وہ اپنے دربارِ خاص میں بیٹھے تھے۔ معاً ایک اجنبی دندناتا ہوا دربار میں آیا اور پوچھنے لگا۔ "کیا میں اِس سرائے میں ایک روز ٹھیر سکتا ہوں؟" ابراہیم ادہم نے غصے سے کہا: "یہ سرائے نہیں شاہی محل ہے۔" اجنبی نے پوچھا "تم سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا؟" ادہم نے جواب دیا "میرا باپ۔" اجنبی نے کہا: "اُن سے پہلے کون رہتا تھا؟" ادہم بولے: "میرا دادا۔" اجنبی نے کہا "تمھارے دادا سے پہلے؟" ادہم نے کہا "میرا پردادا۔" اجنبی نے سوال کیا: "اچھا! تمھارے بعد یہاں کون رہے گا؟" ادہم نے کہا "میرا بیٹا۔" اجنبی نے سوال کیا "خود سوچو، جس جگہ اتنے آدمی آئے اور چلے گئے، کیا اسے محل کہنا چاہیے؟" اتنا کہہ کے اجنبی چلا گیا۔ ابراہیم ادہم تخت چھوڑ کر اجنبی کے پیچھے دوڑے اور پھر پلٹ کر نہیں آئے۔

کا اہتمام کیا مگر میاں صاحب کے آنے کی خبر سُن سُن کے کھیم کرن، للیانی، فیروزپور اور دیگر مضافات سے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ کھانا نصف آدمیوں کے لیے بھی ناکافی تھا۔ صوفی صاحب بہت گھبرائے۔ میاں صاحب نے بھی اُن کی گھبراہٹ محسوس کر لی اور بولے "کھانا لے آؤ تاکہ کھلانا شروع کیا جائے"۔ کھانا آ گیا۔ میاں صاحب نے دونوں دیگچے اپنے آگے رکھوائے اور حکم دیا کہ تمام حاضرین کو دسترخوان پر بیٹھنے کے لیے کہا جائے۔ حاضرین بیٹھ گئے۔ میاں صاحب اپنے ہاتھوں سے طباق میں چاول ڈالتے جاتے اور خوشی خوشی کہتے جاتے کہ چاول تو بڑے لیے ہیں۔ جب تمام لوگ کھا چکے تو وہ بولے "جو قصور والے ڈیرے میں بیٹھے ہیں انھیں بھی بلاؤ"۔ وہ بھی تقریباً بیس آدمی ہوں گے۔ انھیں بھی میاں صاحب نے کھانا کھلایا۔ پھر صوفی صاحب سے کہا کہ میرے میزبان مولوی فضل حق کے ہاں بھی کچھ بھیجنا چاہیے۔ کوئی دو سو یا اس سے زیادہ آدمی کھا چکے تھے۔ میاں صاحب کہنے لگے "اب ہم تم اطمینان سے کھائیں گے۔ کوئی پریشانی نہیں ہے"۔ کھانے کے بعد انھوں نے ہدایت کی کہ دیگچوں میں بچے ہوئے چاول سبز کا گھر بھجوا دو۔ صوفی صاحب کا عالم دیدنی تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں نے دیگچوں میں جھانک کے دیکھا تو چاولوں میں کوئی کمی نہ تھی۔

ایک بار حکیم احمد علی شرق پور میں میاں صاحب کے ساتھ مراقبے میں بیٹھے تھے۔ نیم خوابی کی حالت میں انھیں کچھ ایسا خیال آیا کہ ان کی بیوی زینے سے بری طرح گر پڑی ہے۔ اُن کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ میاں صاحب نے انھیں پراگندہ و آزردہ دیکھا تو تسلی آمیز لہجے میں کہا "حکیم صاحب! خدا کا فضل ہے کوئی چوٹ نہیں آئی مگر اب آپ کا دل شاید یہاں نہ لگے۔ آپ کو اجازت ہے قصور چلے جائیے"۔ حکیم صاحب کہتے ہیں: میں ہر ممکن عجلت سے قصور پہنچا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت زینے سے اترتے ہوئے اہلیہ کا پاؤں رپٹا تھا اور وہ آٹھویں سیڑھی سے نیچے آ گری تھی اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ گرتے وقت اُسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے اُوپر سے اٹھا کے زمین پر رکھ دیا ہو۔

میاں صاحب کا مکان دو منزلہ تھا۔ نچلی منزل زائرین کے لیے مخصوص ہو گئی تھی کیونکہ دُور دور سے لوگ اُن سے ملنے آتے تھے۔ خلوت کا موقع انھیں کم ملنے لگا تھا لیکن آنے والوں کی برابر بڑھتی ہوئی تعداد سے اُن کی پیشانی کبھی شکن آلود نہیں ہوئی، نہ اُن کی عبادت و ریاضت میں کوئی فرق آیا۔ رشد و ہدایت کا درجہ بھی تو عبادت سے کم نہیں۔ میاں صاحب ہمیشہ دو زانو بیٹھتے تھے۔ لوگوں کو بھی اُن کی یہی تلقین تھی۔ چٹائی کے تنکے توڑنے والے کو وہ ٹوک دیتے تھے۔ عشا کی نماز اکثر آخر وقت میں پڑھتے تھے۔ مہمانوں کو کھانا کبھی عشا سے پہلے کھلایا جاتا، کبھی بعد میں۔

اگر کوئی رات کے بارہ بجے بھی آ جاتا تو کھانا موجود رہتا۔ رات کے تقریباً بارہ بجے تک لوگوں کا جمگھٹا رہتا اور درجۂ سالک، منازلِ سلوک، شریعت و سنت، عقائد و اعمال، توفیق و استطاعت، استقامت علی الحق، جبر و قدر، شیخ کا مقام، فنا و بقا، استعانت، جہاد بالنفس، کفر و الحاد، زندقہ، ذکرِ خفی وغیرہ کے موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ تہجد کی نماز وہ گھر میں ادا کرتے تھے۔ فجر کے وقت مسجد چلے جاتے۔ نماز عموماً اُن کے چچا حمید الدین پڑھاتے تھے۔ کبھی وہ نہ آ پاتے تو میاں صاحب ہی امامت کرتے۔ پھر درود شریف خضری تمام احباب کے ساتھ مل کے پڑھتے۔ اشراق کی نماز کے بعد وہ بچوں کو قرآن کا درس دیتے۔ مختلف عمروں کے لوگوں کو الگ الگ درس دیتے تھے۔ گیارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ پھر وہ مہمانوں کو کھانا کھلاتے۔ کھانا خود اٹھا کے لاتے اور اپنے ہاتھ سے سالن رکابی میں ڈالتے رہتے۔ مہمانوں کے ہاتھ بھی وہ خود دھلاتے تھے۔ اگر دسترخوان پر کسی کا پاؤں آ جاتا تو سخت ناراض ہوتے۔ طعام کے دوران سوکھی جلی ہوئی اور باسی روٹی اپنے لیے الگ کر لیتے۔ ہر لقمے کے ساتھ بسم اللہ پڑھتے اور آہستہ آہستہ کھاتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کے دعا پڑھتے۔ پھر ظہر کی نماز سے کچھ پہلے قیلولہ کرتے۔ ظہر اور عصر کی نماز اول وقت میں ادا کرتے تھے۔ وضو میں لوگ پانی ڈالنے کے لیے کوشاں رہتے تھے مگر وہ انکار کر دیتے۔ وضو کے دوران انھیں بات کرنا بھی پسند نہیں تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد مسجد کی چھت پر جا کے وہ چھ رکعت نفل ادا کر کے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتے۔ تمام لوگ صفیں باندھ کے بیٹھ جاتے۔ اُن کے ساتھ آیاتی ترجمہ سورۂ فاتحہ کا ورد کرتے تھے اور آیۂ کریمہ کا وظیفہ بھی جاری رہتا۔ سوتے وقت بھی اُن کا یہی معمول تھا۔ تیسرا کلمہ وہ کبھی بلند آواز سے پڑھتے، کبھی آہستہ۔ سفر میں بھی تراویح کی پوری رکعتیں ادا کرتے۔ میاں صاحب ختمِ قرآن کے شبینہ میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ قبرستان جانا بھی اُن کا معمول تھا لیکن وہ کبھی کسی قبر کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ راستے میں پڑے ہوئے اینٹ اور پتھر ہمیشہ ایک طرف کر دیتے۔ موٹا لباس پہنتے۔ اکثر دیسی کھسّی کا کپڑا استعمال کرتے۔ پگڑی کے ساتھ انھوں نے ہمیشہ ٹوپی استعمال کی۔ کبھی خدا اور آخرت کے سلسلے میں شک کرنے والے لوگ بھی اُن کے پاس آتے۔ میاں صاحب اُن کی آمد سے خوش ہوتے اور عقل و منطق کی زبان میں اُن سے گفتگو کرتے۔ عموماً یہی ہوتا کہ لوگ اپنے ذہن کی گتھیاں سلجھا کے اور جالے دُور کر کے وہاں سے رخصت ہوتے۔ میاں صاحب کی زندگی اُن کے لیے بجائے خود ایک دلیل تھی، ایک یقین۔ اُن کے تذکروں میں ایسے لوگوں کی ایک طویل فہرست درج ہے جو میاں صاحب کے حضر کہنے سے یقین کی دولت سمیٹ کے جاتے تھے۔ اللہ یقین تو بہت بڑا سکون ہے، چاہے وہ کیسا بھی ہو۔

Marfat.com

گوجراں والہ کے قریب ایک گاؤں ہے کیلیاں والہ۔ اب اُسے حضرت کیلیاں والہ کہا جاتا ہے۔ وہاں کے رہنے والے ایک خوب رُو، خوش الحان جوان سیّد نورالحسن شاہ شیعہ مذہب کے عالم تھے۔ نورالحسن شرق پور آئے ہوئے تھے اور کسی مکان میں مرثیہ خوانی کر رہے تھے کہ میاں صاحب کا گزر اُس گلی سے ہوا۔ آواز سُن کے میاں صاحب رُک گئے اور بے ساختہ بولے: "کیا بھلی آواز ہے۔" اتفاق سے ایک روز بازار میں دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ میاں صاحب نے نورالحسن شاہ کے قریب جا کے پوچھا: "کیا نام ہے تمھارا بچّہ؟" اُنھوں نے بتایا۔ "نورالحسن۔" میاں صاحب نے برجستہ کہا: "تمھیں نورالحسن بنا دیں بچّہ؟" سُن کے نورالحسن مسکرائے اور آگے بڑھ گئے مگر قرار چھن چکا تھا۔ کسی پہلو آرام نہ آتا تھا۔ قلب و جاں پر گریہ سا طاری تھا۔ اپنے گاؤں واپس گئے تو بے چینی اور بڑھ گئی۔ میاں صاحب کے الفاظ کانوں میں گونجتے رہتے: "تمھیں نورالحسن بنا دیں بچّہ؟" ہوتے ہوتے اضطراب ضبط سے باہر ہو گیا۔ آخر اُنھوں نے شرق پور کی راہ لی۔ جا کے میاں صاحب کے قدموں میں گر پڑے۔ میاں صاحب نے اُنھیں سینے سے لگایا اور حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ پھر میاں نورالحسن اسی آستانے کے ہو رہے اور میاں صاحب سے تربیت حاصل کرتے رہے۔ کچھ میاں صاحب کی خصوصی توجّہ اور کچھ میاں نورالحسن کا شوق، بہت جلد سلوک کی منازل طے کر گئیں اور وہ میاں صاحب سے خلافت لے کے رخصت ہوئے۔ میاں صاحب سے قربت رکھنے والے اور اُن کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ میاں نورالحسن کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ اُنھوں نے ہر مرحلے پر خود کو میاں صاحب کا سچّا جانشین ثابت کیا اور سلسلۂ سلوک میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔

کرموں والا، فیروزپور کے سیّد اسماعیل شاہ بخاری کا حال بھی کچھ یہی ہے۔ چھوٹی عمر میں اُن کی نسبت تونسہ کے فیض یافتہ، چشتی بزرگ مولانا شرف الدین صاحب سے ہو گئی تھی جو حصولِ علم کے لیے اُنھیں مولانا وصی احمد محدّث کے پاس بھیج دیا گیا۔ اُن کے علاوہ بھی وہ مختلف علما سے فیض پاتے رہے۔ علمِ طب میں اُنھوں نے خاص مہارت حاصل کی۔ اس دوران وہ گھر سے دُور رہے تھے۔ واپس آئے تو مولانا شرف الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسماعیل شاہ بخاری نے بچپن ہی سے اپنی دُوری باندھ لی تھی۔ شروع ہی سے اُن کا رجحانِ طبع سب سے مختلف تھا۔ رہبری کے لیے اُنھیں کسی مرشدِ کامل کی تلاش تھی۔ بہت سے بزرگوں کے پاس گئے مگر سب انکار کرتے رہے کہ تمھارا حصّہ ہمارے پاس نہیں ہے، تمھارا مقصد زیادہ ہے، تم کسی صاحبِ مقام کا حصّہ ہو۔ آخر ایک مجذوب نے شرق پور کی جانب رہ نمائی کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دُور دُور میاں صاحب کے علم و کمال کا شہرہ ہو چکا تھا۔ پیر سیّد اسماعیل شاہ بخاری کہتے ہیں کہ میاں صاحب سے مل کر ہی مجھے کچھ آسودگی نصیب ہوئی۔ میاں صاحب نے پوچھا، کہاں سے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا، کرموں والے سے۔ میاں صاحب نے فرمایا، تو پھر کرماں والے ہو گئے۔ بعد میں میاں صاحب کی زبان سے ادا ہونے والا یہ جملہ زبانِ خلق پر جاری ہو گیا۔ پیر سیّد اسماعیل شاہ بخاری نے کرماں والے کے لقب سے ہندوستان بھر میں محبّت و مرتبت حاصل کی۔ فیروزپور اور نواح سے آنے والے لوگوں سے میاں صاحب کہا کرتے تھے، شرق پور آنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں کرماں والا موجود ہے، اُسی سے مل لیا کرو۔ ادھر کرماں والے کا حال یہ تھا کہ جب کبھی مرشد کی قدم بوسی کا ارادہ ہوتا، فیروزپور سے رائے ونڈ تک ریل میں سفر کرتے اور وہاں سے باقی سفر پیدل طے کر کے شرق پور پہنچتے۔ شرق پور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی وہ ادب سے خاموشی اختیار کر لیتے اور جب تک مرشد کے پاس بیٹھے رہتے، نگاہ اُوپر نہ اُٹھاتے۔

میاں صاحب شرق پور والوں ہی کے ہو کے رہ گئے تھے۔ اُن کی زندگی کا بیشتر حصّہ اسی زمین اور اس کے لوگوں کے درمیان گزرا۔ اُن کی نسبت سے شہر شرق پور مشکل کشائی، غم گساری اور پناہ گاہ کی علامت بن گیا تھا۔

کیسا بھی موسم اور کیسا بھی وقت ہو، شرق پور کے اطراف سے آنے والوں کی تعداد کم نہ ہوتی تھی۔ میاں صاحب نے سفر کم کیے۔ لوگ جانے ہی نہیں دیتے تھے اور خود اُنھیں اپنے معمولات کا بڑا خیال تھا تاہم قصور پابندی سے جاتے تھے اور لاہور میں حضرت داتا گنج بخش اور حضرت شاہ محمد غوث کے ہاں بھی جانا معمول بن گیا تھا۔ دلّی کے خواجہ باقی باللہ اور سرہند کے حضرت مجدد الفِ ثانی سے اُنھیں خاص علاقہ تھا۔ کئی بار دلّی گئے۔ پانی پت اور ملتان کا سفر بھی کیا۔ مولانا حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی سے ملنے بریلی بھی گئے تھے۔ اپنے دادا پیر حضرت قاضی احمد کی زیارت کے لیے سندھ کا دورہ بھی کیا تھا۔ پشاور جاتے رہتے تھے اور دو مرتبہ گولڑا بھی ٹھیرے تھے اور حضرت پیر مہر علی شاہ سے ملاقات کی تھی۔ مریدوں کے پاس جا کے ٹھیرنا اُنھیں پسند نہ تھا۔ اُن کے ارادت مندوں میں چند ہی کو اپنے مرشد کی مہمان نوازی کا موقع ملا تھا۔

ہر نفس کے لیے موت کا ذائقہ نوشتہ ہے۔ ادھر شرق پور کے لوگ سوچنے لگے کہ اگر میاں صاحب اُن کے درمیان موجود نہ رہے

Marfat.com

تو، مرشد کی جدائی کا تصور ہی حلقہ بگوشوں کے لیے سوہانِ روح تھا۔ ایک دن اُنھوں نے ہی کے جرأت کی اور جھجکتے ہوئے دریافت کیا کہ سرکار نے اپنے جانشین کے بارے میں بھی کچھ غور کیا؟ اولاد آپ کی حیات نہیں۔ بیٹے آپ کے ہاتھوں میں دم توڑ گئے۔ بیٹی جوانی میں چل بسی۔ آپ کے بعد یہاں کون مسند نشین ہوگا؟ کس کے نصیب میں آپ کے چراغ کا ورثہ ہے؟ اس بارے میں کچھ تو سوچا ہوگا؟

میاں صاحب نے سکون سے سنا اور بولے: "ہاں سوچا ہے۔ تم لوگ ہمارے بھائی کو بھول گئے؟"

لوگوں نے ان کا چہرہ دیکھا اور عرض کیا: "مگر وہ تو اس طرف مائل معلوم نہیں ہوتے۔ بے شک وہ نہایت سلیم الطبع، شگفتہ مزاج اور صاحب نظر ہیں لیکن اُن کا رجحان تو حکمت کی طرف ہے بلکہ یوں ہے کہ آپ کے فضل و کمال کے چرچے سُن کے وہ مسکراتے ہیں۔"

میاں صاحب نے جواب دیا: "ہاں مجھے معلوم ہے لیکن میں نے اسی کے بارے میں فیصلہ کیا ہے۔" لوگ خاموش ہوگئے۔

پھر ایک روز چھوٹے بھائی میاں غلام اللہ نے بڑے بھائی میاں شیر محمد سے خود کہا کہ "بھائی! تجھے لوگ بڑا ولی مانتے ہیں۔ کیا تو واقعی اتنا بڑا ولی ہے جو تیرے دروازے پر ہمیشہ ایک خلقت منتظر رہتی ہے۔ مجھے بھی تو کچھ دکھا۔" کہا جاتا ہے، میاں غلام اللہ نے یہ شکایت بھی کی تھی کہ اگر مجھ پر توجہ دی ہوتی تو آج لوگ مجھے چھوٹے میاں صاحب کہہ کر عزت دیتے۔

میاں صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کو جواب دیا تھا: "تم میری طرف آتے ہی کہاں ہو، آیا کرتے تو کچھ سمجھتے بوجھتے بھی لیکن اب بھی کیا گیا ہے۔ جستجو ہی کی تو بات ہے۔ توجہ جستجو سے مشروط ہے۔"

جمعے کا دن تھا۔ نماز سے کچھ پہلے میاں غلام اللہ مسجد میں داخل ہوئے اور وضو کیا۔ دونوں بھائیوں کا آمنا سامنا ہوا۔ میاں صاحب نے پہلی مرتبہ اپنے بھائی کو توجہ کی نظروں سے دیکھا۔ میاں غلام اللہ کا عجب حال ہوا۔ کھڑے کھڑے گر پڑے اور فرش پر لوٹنے لگے۔ چشمہ دُور جا گرا۔ گھڑی ٹوٹ گئی۔ اُنھوں نے گریباں چاک کیا اور دیوانوں کی طرح بھائی کے پاؤں پکڑنے لگے پھر ہذیانی انداز میں بولے: "بھائی! تو تو میرا رب ہے، تو تو میرا خدا ہے، تو تو خدا ہے۔" میاں صاحب کے اشارے پر احباب بے حال غلام اللہ کو مسجد کی چھت پر چھوڑ آئے۔ میاں صاحب نے جمعہ ادا کیا اور سنتیں پڑھ کے اوپر گئے تو بھائی کا وہی عالم تھا۔ لبوں پر وہی تکرار کہ "تو تو خدا

دنیا میں آرام کے

خواہش مند

صرف

بے وقوف لوگ

ہیں

— حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

ہے۔ تو تو میرا رب ہے۔ تو نے مجھے بھی رب بنا دیا ہے۔ بس کر۔" میاں صاحب نے اُنھیں فرش سے اٹھا کے سینے سے لگایا۔ تب قلب مضطر کو قرار آیا۔ میاں غلام اللہ نے اُس روز کے بعد سے بھائی کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ نماز میں میاں صاحب کے پیچھے کھڑے ہوتے تو دامن پکڑ لیتے اور کہتے: "جیسی نماز خود پڑھتے ہو، مجھے بھی ویسی سکھاؤ۔ میں یہ نماز نہیں پڑھتا۔" میاں صاحب نے بھی اُس دن کے بعد سے اپنے بھائی کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ وہ اپنا ورثہ بھائی کو منتقل کرتے رہے اور بھائی نے ایک امین، ایک اہل وارث اور ایک طلب گار کی حیثیت سے سب کچھ سینے سے لگایا۔ ہر واقعہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے گزر رہا تھا۔ ایک دنیا نے دیکھا تھا کہ میاں غلام اللہ کی زندگی میں یکایک کیسا تموج رونما ہوگیا ہے۔ وہ تو پہچانے ہی نہیں جاتے تھے۔ کبھی اپنے بھائی سے اتنے دُور، ایسے مختلف نظر آتے تھے مگر اب تو کوئی بُعد ہی نظر نہ آتا تھا۔ وہ بالکل اپنے بھائی کی تصویر بن گئے تھے۔ میاں صاحب کے متوسلین نے میاں غلام اللہ کو حضرت ثانی لاثانی کا لقب دیا تھا۔ خود میاں غلام اللہ کہا کرتے تھے کہ میرے بھائی نے میرا ہاتھ براہِ راست سیدنا صدیق اکبر کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ نقش بندی سلسلہ سیدنا صدیق اکبر تک دراز ہے۔ کہتے تھے کہ میں تو بالکل اندھیرے میں تھا، میرے بھائی نے مجھے روشنی

Marfat.com

میں لا کھڑا کیا۔ میں تو اندھا تھا، بھائی نے مجھے بینائی عطا کی۔

یہ زمانۂ رفتہ کی کوئی داستان نہیں ہے۔ یہ سطور رقم کرتے وقت ممکن ہے، گنتی کے وہ چند لوگ ابھی تک حیات ہوں جنھوں نے شرق پور کے بے تاج بادشاہ شیر محمد کو دیکھا ہے اور اُس کے عہد کے گواہ ہیں۔ پنجاب بھر میں کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں میاں صاحب کے مرید اور ارادت مند موجود نہ ہوں۔ اُن کی درگاہ میں طرح طرح کے لوگ آتے تھے۔ سنگ دل بھی اور بے دین بھی۔ اُن کے پاس بیٹھ کے اور اُن کی زبان سے کلمۂ حق سُن کے وہ ایسے از خود رفتہ ہو جاتے کہ ساری دنیا ہیچ نظر آنے لگتی۔ اُن کے طور طریق ایسے والہانہ ہوتے کہ گزرے دنوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔ میاں صاحب کے متوسّلین کی جاں سپار جماعت نے خون کے رشتے اور دنیوی معاملات وہیں بلند انسانی رشتوں پہ تج دیے تھے۔ یہ جماعت بازاروں سے گزرتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے فرشتے گزر رہے ہوں جنھیں خدا نے زمین کی تطہیر کے لیے بھیجا ہو۔ تاجوں کی سی بے نیازی اور فقیروں کی سی کج کلاہی۔ کہتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کی سی شریعت و سنت کا نقشہ دیکھنا ہو تو میاں صاحب کے متوسلین کو دیکھ لیجیے۔ سفید لباس، روشن چہرے، جھکی ہوئی نگاہیں۔ لوگ دُور سے پہچان لیتے تھے کہ میاں شیر محمد کے خدام جا رہے ہیں۔ میاں صاحب نے انھیں سنّت کے سوا کوئی اور نکتہ تعلیم نہیں کیا۔ انکسار، تپاک، مروّت، ایثار، تبلیغ اور عبادت ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ استاد کی تعلیم تھی کہ بازار سب سے بری جگہ ہے۔ ان راستوں سے گردن ڈالے گزرا کرو۔ انھوں نے اپنے پند و نصائح سے دلوں کو اتنی سردی پہنچائی تھی کہ دُنیوی حرارت معدوم ہوگئی تھی۔

میاں صاحب نے تصوف اور دینیات کی بعض نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ ان کتب میں سید امام علی شاہ کی فارسی تصنیف 'مرآۃ المحققین'، بھی شامل ہے۔ اُس کے سرورق پر انھوں نے خود خطاطی کی تھی۔ کتاب کی ابتدا میں مترجم کے اصرار پر اُس کی لکھی ہوئی ایک نظم بھی شائع ہوئی تھی جس کے ہر شعر کے پہلے حروف کی ترتیب سے مولوی شیر محمد شرق پوری کا نام بنتا ہے۔ مترجم نے اس شاعرانہ کمال کا اس لیے بھی مظاہرہ کیا تھا کہ میاں صاحب کو کتاب میں اپنا نام لکھوانا پسند نہیں تھا۔ 'حکایت الصالحین' کی نو سو صفحات پر مشتمل کتاب بھی میاں صاحب کی مساعی سے اشاعت پذیر ہو سکی۔ اس کے علاوہ اپنے پیر و مرشد کی کتاب 'ربیع آخر' مع 'مطالب' و 'چشمۂ فیض' بھی انھوں نے طبع کرائی تھیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی بعض اہم کتابیں خرید کے وہ دینی طالبانِ علم میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔

کتابوں کی اشاعت اور تقسیم کے علاوہ انھوں نے کئی مساجد بھی تعمیر کرائیں۔ ان کی نشست گاہ کے قریب جو پُرشکوہ مسجد بنی ہوئی ہے، اُسے انھوں نے از سرِ نو تعمیر کرایا تھا۔ اُس زمانے میں اس کی تعمیر پر پچیس ہزار روپے صرف ہوئے تھے۔ لوگ تعجب کرتے تھے کہ اتنی جلدی یہ کس طرح تعمیر ہوگئی۔ میاں صاحب جواب دیتے تھے: "مجھے یقین ہے کہ جب اینٹ معمار لگاتے تھے تو وہ اینٹیں فرشتے لگاتے ہوں گے۔" شرق پور کے محلہ نبی پورہ، قبرستان وڈابراں والا اور محلہ دُھمدل پورہ کی مساجد کے علاوہ اپنے پیر خانے کوٹلہ پنجو بیگ میں ایک عظیم الشان مسجد میاں صاحب کی کاوشوں کا ثمر ہیں۔

سر محمد شفیع کی والدہ میاں صاحب کی نواسی تھیں۔ سر میاں اُن کے ہاں جا کے بیٹھتے تو خفا ہو کے کہتے۔ خفا یہ تھی، بیٹا ہے۔ سر کی داڑھی سینے پر پڑتی اور وہ انگریزی کی کرسی میں بیٹھا ہوتا تو کیسا وجیہہ اور دل کش نظر آتا۔ سر محمد شفیع ایک دن مسجد میں اُن کے قریب بیٹھے تھے۔ میاں صاحب کہنے لگے۔ "محمد شفیع! تیرا نام کتنا اچھا ہے مگر افسوس، مجھے اس نام سے پکارنے کو دل نہیں کرتا۔ کچھ اپنے نام ہی کی شرم کرو۔ کچھ سوچو سمجھو۔ تمھارے باپ کی شکل کیسی تھی۔ وہ شکلیں تمھیں بُری لگتی تھیں؟ اصل میں یہ حق کا ساتھ ہے۔ نہ تمھیں انگریز بھیجتے، نہ تم اپنی شکل بگاڑتے۔ انھوں نے تمھیں اس میلے میں گھر میں گھسنے ہی کیوں دیا۔" میاں صاحب شریعت و سنت کی بات کہتے ہوئے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ چاہے وہ حاکم ہو یا اُن کا خانہ زاد بھائی۔

علامہ اقبال بھی، سنا ہے، ایک مرتبہ اُن کی زیارت کو آئے تھے۔ میاں صاحب اُس وقت کہیں باہر سے آئے تھے، علامہ کو دیکھ کے اندر چلے گئے۔ لوگوں نے اندر جا کے کہا کہ اقبال آئے ہوئے ہیں تو باہر نکلے اور دہلیز پر کھڑے کھڑے بولے: "آج مجھ سا کون ہوگا جس کے پاس اقبال آیا ہے۔" جملہ ذو معنی تھا۔ علامہ اقبال کے آنسو رواں ہوگئے۔ میاں صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے بعض شرعی امور پر انھیں توجہ دلائی۔ کہتے ہیں، علامہ اقبال جتنی دیر بیٹھے، روتے رہے۔ علامہ کو اس بات کا بہت قلق رہا کہ وہ میاں صاحب سے اُن کے اواخرِ عمر میں ملے تھے۔

عمر تریسٹھ برس کی ہوگئی تو ضعف و نقاہت نے آلیا۔ تاہم پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ نقاہت کے سبب صرف جمعہ پڑھاتے تھے۔ کچھ دنوں میں یہ صورت بھی نہ رہی۔ نقاہت بڑھتی گئی یہاں

Marfat.com

تھک کر اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوگیا۔ ارادت مندوں کے لیے یہ صورتِ حال نہایت تکلیف دہ تھی۔ مسجد آنا جانا بھی بند ہوگیا۔ جمعے کی نماز کا سلسلہ بھی جاری نہ رہ سکا۔ جمعے کو لوگ اُنھیں منبر پہ نہ دیکھ کے زار زار روتے تھے۔ اُن کی طبیعت بہت بگڑ گئی تو اطبا نے اُنھیں آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے کشمیر جانے کا مشورہ دیا۔ احباب نے بھی زور دیا لہٰذا وہ سید نورالحسن شاہ اور دیگر خدام کے ساتھ سری نگر چلے گئے لیکن وہاں طبیعت نہیں لگی۔ چار روز بعد ہی انھوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ سری نگر میں وہ ایک نومسلم انگریز ہیری صاحب کے ہوٹل میں ٹھیرے تھے۔ ہیری صاحب کو تار دے کر گلمرگ سے بلوایا گیا تھا۔ احباب واپسی سے ناخوش تھے لیکن چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ لوٹنا ہی پڑا۔ راول پنڈی پہنچے تو بے حد شدید بارش ہوئی۔ سری نگر کے راستے بند ہو گئے۔ وہ تین ماہ تک درست نہ ہوئے۔ اب لوگ سمجھے کہ میاں صاحب کو واپسی کی جلدی کیوں تھی۔ دیر ہو جاتی تو لوٹنا ممکن نہ رہتا۔

میاں صاحب سری نگر سے لاہور آ کے اپنے خالہ زاد بھائی سر محمد شفیع کے ہاں ٹھیرے تھے۔ لاہور کے ممتاز طبیبوں نے تپِ محرقہ تشخیص کیا تھا۔ علاج معالجے سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ غنودگی اور غشی کے دورے پڑتے رہے۔ ذرا افاقہ ہوتا تو قرآنی آیات اور درود شریف کے سوا زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلتا۔ کمزوری سے زبان لڑکھڑانے لگی تھی مگر سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص صحیح پڑھتے تھے۔ کوئی دو ماہ پہلے اُنھوں نے پنجابی کے بجائے اچانک اُردو میں کلام شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ اس سے قبل صرف پنجابی بولا کرتے تھے۔ اب بے ہوشی کے عالم میں اُردو ہی بولتے۔ سننے والوں کا کہنا ہے کہ بیس روز تک مسلسل یہ کہتے رہے کہ "ہم مکان شریف میں ہیں"۔ مکان شریف اُن کے مرشد کا پیر خانہ تھا۔ میاں صاحب ملول تھے کہ میری عمر سید عالمؐ کی عمر سے دو سال کیوں بڑھ گئی ہے۔ اب وہ ٦٥ برس کے ہو چکے تھے۔

پھر یہ وقت آیا کہ نماز اشاروں کے سوا ممکن نہ رہی۔ ایک روز طبیعت کچھ سنبھلی ہوئی تھی کہ انھوں نے اپنے بھائی میاں غلام اللہ کو بلایا۔ سید نورالحسن شاہ اور بابا عبداللہ فیروزپوری پہلے سے موجود تھے۔ اُن کے سامنے میاں صاحب نے بھائی سے کہا کہ دربار پہ آنے والوں کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہ کرنا اور جمعہ خود پڑھانا۔ یاد رکھو سنّت کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔" یہ کہہ کے وہ عصا ٹیکتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ انھوں نے سب کو پیار کیا، سلام کیا اور الوداع کہتے ہوئے بولے "اب میں ڈاہراں والہ جانا چاہتا ہوں" اور اُن کی یہ خواہش دو دن بعد پوری ہوئی۔

پیر کا دن تھا۔ ١٣٤٧ھ ربیع الاوّل کا بیسواں اور اگست ١٩٢٨ء کا بیسواں دن تھا۔ دن جیسے جیسے چڑھتا، اُن پر غشی غالب ہوتی جاتی۔ کہنے لگے، آج رخصت کا دن ہے۔ شرق پور کا ہر فرد آنکھیں لیے پھرتا تھا۔ قریب بیٹھے ہوئے افراد سورۂ اخلاص کی تلاوت سن رہے تھے۔ میاں صاحب خود تلاوت کر رہے تھے۔ عشا کے بعد اُنھیں ہچکیاں آئیں۔ رات کی سیاہی بھیگی ہی تھی، کوئی ساڑھے گیارہ کا عمل ہوگا۔ میاں صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رات ہی کو اُنھیں غسل دیا گیا۔ رحلت کی خبر سن کے شرق پور میں جیسے ہڑتال ہو گئی۔ گرمی شدید اور حبس کی سی کیفیت تھی۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ مسلم، غیر مسلم سبھی اشک بار تھے۔ کچھ لوگ دیواروں سے سر ٹکرا رہے تھے، کچھ روتے روتے بے ہوش ہو گئے تھے۔ سوگواروں سے شرق پور کے گلی کوچے تنگ پڑ گئے۔ دوسرے دن سہ پہر کو جنازہ اٹھا۔ میّت کے ساتھ لمبے لمبے بانس بندھے گئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دے سکیں۔ رونے والے اتنے درد و کرب سے رو رہے تھے کہ دل پھٹے جاتے تھے۔ آسمان سے بھی نہ رہا گیا۔ گرجتا برستا رہا پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ شرق پور کے لوگوں نے کم ہی دیکھی ہوگی۔ جنازہ ساڑھے چھ بجے شام ڈاہراں والہ قبرستان پہنچ پایا۔

[illegible] تھے [illegible] سے مجھے [illegible] تو میں شجرۂ طیبہ سامنے کر دوں گا۔

سُوزِ دل

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے جنازہ کا منظر دیکھ کر حکیم علی احمد نیرؔ واسطی لاہوری نے مندرجہ ذیل سوزِ دل لکھا ہے!

شان و شوکت سے یہ کس دُولہا کی آتی ہے برات
تھرتھراتے ہیں فرشتے کانپتی ہے کائنات

ہر زبردست اُس کی سطوت کے مقابل زیر ہے
یہ کوئی شاید محمدؐ کا بہادر شیرؒ ہے

آج اُٹھی ہے یہ کس عاشق کی میت دھوم سے
وصل ہے کس کا خدائے قادر قیوم سے

کس جُنیدِ وقت کی میت چلی آتی ہے یہ!
قدسیوں کو عصمت و عفت میں شرماتی ہے یہ

لوگ کہتے ہیں ہوا شیر محمدؒ کا وصال
اُٹھ گئے گویا ابوذر ہو گئے رُخصت بلال

اب یہ شکلیں پھر نہ دکھلائے گی دُنیا دیکھ لو
مُصطفےٰ کے عاشقوں کی شکلِ زیبا دیکھ لو!

ملتِ مرحوم کے ماتم میں اب روئے گا کون
دامنوں سے داغہائے معصیت دھوئیگا کون

اے زمینِ شرقپور شیرِ الٰہی کی کچھار!!
دفن ہونا ہے تیری مٹی میں شبیر کردگار؟

ہے دُعا نیرؔ کی برسے تجھ پہ بدلی نور کی!
ہو ہمیشہ تجھ پہ نور افشاں تجلی طور کی

○

آپ کا طریقہ تبلیغ

آپ تبلیغ مختلف صورتوں میں فرمایا کرتے تھے۔ عوام کو موٹی موٹی مثالیں دے کر سمجھایا کرتے اور خواص کو اُن کی سمجھ کے مطابق بیان کرتے۔ علماء کو قرآن اور حدیث سے تبلیغ فرماتے اور غیر مسلموں کو ان کے بزرگوں کے حالات سنا کر تبلیغ فرماتے عوام کے روبرو بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا قول پڑھ کر سناتے۔ قول (شعر)

اُٹھ فریدا کوک توں جیوں کرا کھا جوار !
جب تک ٹاندا نہ گرے تب تک حال پکار

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے خداوند کریم کی یاد کر۔ جس وقت کوئی خاص لوگ حاضر خدمت ہوتے جو علم دُنیوی سے واقف ہوتے آپ انہیں دریافت فرماتے کہ تم علم طبیعات پڑھے ہوئے ہو وہ عرض کرتے کہ حضور پڑھے ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے تمہارا ایمان تو بڑا کامل ہوگا۔ کیونکہ سب چیزوں کی تاثیرات سے آپ واقف ہیں۔ یہ تاثیران چیزوں میں کس نے پیدا کی۔ اگر کوئی علماء کی جماعت میں سے آتے تو آپ قرآن مجید کو کھلواتے اور انہیں قرآن مجید کی آیتیں دکھاتے جو آیتیں ذکر کے متعلق ہوتیں انہیں دکھاتے اور فرماتے فقراء اور صوفی لوگ کیا بتلائیں گے۔ قرآن شریف میں جابجا ذکر کی خداوند کریم نے آیتیں فرمائی ہیں اور آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور توجہ ذکر کی طرف دلاتے اور فرماتے علماء اور فقراء کو چاہیئے کہ حق کے بات کہنے سے خوف کریں حدیث شریف میں آیا ہے۔ حق کہنے سے تیری اجل قریب نہ ہو جائے گی اور تیری روزی بند نہ ہوگی۔ بعض علماء کو سختی سے سمجھاتے اور فرماتے تم نے تو دین کو کھیل بنا چھوڑا ہے جس وقت کوئی خاص الخاص یار آتے تو ان کو خاص ہی طرح توجہ سے سمجھاتے۔ بڑے بڑے بی۔ اے۔ ایم۔ اے آپکی خدمت میں حاضر ہوتے تو جب آپ اُن کی حجامت دیکھتے اور اُن کے کرزن فیشن بال پکڑ کر خوب ہلاتے اور فرماتے کیا تمہارے باپ دادا کی شکل بھی ایسی ہے داڑھی مُنڈی ہوئی اور ایسے ہی بال تھے کیا تم کو اپنے باپ کی شکل بُری معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے سِکھ بھائی تو ایسا نہیں کرتے۔ اُنہیں تو جو اُن کے گرُو صاحب نے تعلیم دی ہے اُن پر کیسا عمل کرتے ہیں مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ہمارا خداوندی قانون کیا کم ہے۔ کیا سکھوں کو نوکری نہیں ملتی۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ مسلمان قیدیوں کی حجامت میں داڑھی مونڈ دیتے ہیں۔ مگر سکھوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ انگریزوں کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمان اپنے

Marfat.com

مذہب کیسے ہیں۔ پھر آپ پوچھتے کہ تم نے کتنے
سال انگریزی پڑھی ہے۔ جواب ملتا کہ پندرہ سولہ
سال۔ آپ پوچھتے کہ بھلا بسم اللہ کے معنی بتاؤ
تو جواب نفی میں ملتا۔ پھر آپ فرماتے کہ یہ مسلمان کے
بچے ہیں کہ بسم اللہ کے معنی بھی نہیں جانتے۔ انگریزی
کو تو بغیر معنوں کے کوئی نہیں پڑھتا۔ مگر قرآن شریف
کو بغیر معنوں کے پڑھتے ہیں انگریزی قانون کو تو ہر
ایک جانتا ہے۔ مگر خدائی قانون کی کسی کو خبر نہیں۔
کہ قرآن شریف میں کیا حکم ہے اب تو انگریز بن گئے
اب تم لا الٰہ الا اللہ انگریز رسول اللہ کا حکم پڑھا کرو۔
اکثر تو ذکر کر کے جاتے اور جب دوبارہ خدمت میں حاضر
ہوتے تو داڑھی رکھی ہوتی اور پابند نماز بلکہ تہجد خواں
ہو جاتے۔ آپ ان سے بڑا پیار کرتے۔ آخر کار ہدایت
کا نور قلب کا سرور انہیں حاصل ہو جاتا۔ سبحان اللہ۔

اگر کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا
تو آپ پوچھتے کیوں آئے ہو۔ تیرا کیا مطلب ہے
اگر وہ کہتا کہ فقط زیارت کے واسطے حاضر ہوا ہوں
تو آپ فرماتے کہ ہمارے پاس کوئی زیارت نہیں
تو کیوں آیا ہے اگر وہ کہتا۔ مجھے اللہ اللہ کا شوق
ہے آپ مجھے اللہ اللہ کرنا بتائیں تو آپ قرآن
شریف سامنے رکھ کر ذکر کے متعلق آیات سناتے
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَّسَبِّحُوهُ
بُكْرَةً وَّأَصِيلًا۔ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ
وغیرہ وغیرہ آیات دکھا کر اور ان کا ترجمہ بتا کر فرمایا
کرتے کہ زبان تالو سے لگا اور دل کی طرف دھیان
کر کے ہُو کی ضرب دل پہ لگایا کرو۔ چلتے پھرتے
اٹھتے بیٹھتے جاگتے وقت ذکر کیا کرو۔

اور اگر کوئی عالی حوصلہ ہوتا تو اس کو فرماتے کہ ذکر
کرتے وقت ایسا خیال کیا کرو کہ میں اللہ کریم کے
ساتھ بیٹھا ہوں اور یہ شعر بھی فرماتے ؎

یقین بدان کہ تو با حق نشستہ شب و روز
چو ہمنشیں تو باشد خیال نام خدا
وصال حق طلبی ہمنشیں نامش باش
ببیں وصال خدا را بیاد نام خدا

جب اس سے بھی زیادہ شوق ہو جائے اور ذکر کا غلبہ
ہو جائے تو ؎

چو اول شب آہنگ خواب آیدم
بہ تسبیح نامت شتاب آوردم
وگر نیم شب سر برآرم ز خواب
ترا خوانم در بزم از دیدہ آب

کا دھیان کرو۔

مولوی چراغ دین صاحب کا بیان ہے کہ موضع
اٹاری میں بابا اللہ دتا ملاح رہتا تھا۔ اس کے
جنازے پر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
تشریف لائے۔ چونکہ وہ معمولی آدمی تھا۔ اس کے
جنازہ پر سینکڑوں آدمی تھے۔ آپ نے وہاں با اثر
وعظ فرمایا۔ اور جس کی داڑھی کٹی ہوئی تھی اور مونچھیں
بڑھی ہوئی تھیں۔ آپ نے مونچھیں کٹوائیں اور
آئندہ کے واسطے عہد لیا کہ پھر کبھی داڑھی نہیں کٹائیں

Marfat.com

گے۔ نہ ہی منڈوائیں گے اور نماز پڑھیں گے۔
وہاں ایک سکھ مدرس موجود تھا۔ اُس کو آپ نے بغل میں لے کر فرمایا۔ ہم سے تو یہ سکھ ہی بڑھا ہوا ہے۔ افسوس یہ اپنے مذہب کی کس قدر عزت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ غرض اس وقت تمام حاضرین آپکے نصائح سے متاثر ہو کر زار و نزار رونے لگے۔ اور زاری کے بعد سب نے توبہ کی اور عرض کی کہ آئندہ ہماری توبہ ہے آپ ہمارے واسطے دعا فرمائیں کہ پچھلے گناہ بخشے جائیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ قصور تشریف لائے۔ میاں محمد دین صاحب مرحوم آپکے پھوپھی زادہ کے گھر باغبان پورہ سے برات آئی۔ وہ تمام جنٹل مین انگریزی طرز کے لوگ تھے۔ بندہ اس وقت موجود نہ تھا۔ آپ کے پیر بھائی مولوی چراغ دین صاحب کا بیان ہے کہ مجمع کثیر میں آپ نے ایک شخص کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تمہارا نام کیا ہے اس نے کہا بدر دین! اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آپنے اس کی تھوڑی کو ہاتھ لگا کر فرمایا۔ بدر دین ایسے ہوتے ہیں۔ تمہارا نام بدلنا چاہیے آپ نے فرمایا بتلتے لاؤ کہ اس کا نام کسی ہندو نام سے بدل دیں۔ اس بات سے بہت سے جنٹل مین گھبرائے۔ آپ نے فرمایا۔ تم سب مردود ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ ایک مولوی بھی آیا ہوا ہے جس کی داڑھی بہت بڑی ہے آپ نے فرمایا وہ بھی مردود ہے وہ تمہارے ساتھ آیا ہی کیوں؟ اس سے وہ بہت گھبرائے۔ آپ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ فرمایا خداوند کریم جل شانہٗ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور فرشتے اور کراماً کاتبین میری اس بات پر گواہ رہیں۔ جو میں نے حق تبلیغ کا تھا پہنچا دیا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکان کی دیواریں بھی لرز رہی ہیں اور تمام حاضرین پر بھی لرزہ طاری ہے اور پھر آپ وہاں سے بیزار ہو کر نکل آئے اور کھانا بھی نہ کھایا اور موٹر پر سوار ہو کر شرقپور روانہ ہوگئے۔

مولوی چراغ دین صاحب کا بیان ہے کہ آپ فیض پور خورد پیر حسن شاہ صاحب کے فاتحہ پر تشریف لے گئے گاؤں کے مرد و زن سب اکٹھے ہوگئے آپنے وہاں پر وعظ فرمایا۔ اور مسلمانوں کو ان کی حالت سے متنبہ کیا۔ وہاں بھی ایک سکھ موجود تھا اس کو پاس بٹھا کر مسلمانوں کا اس کی شکل سے مقابلہ کرایا۔ مسلمان بہت ہی شرمندہ ہوتے اور آئندہ کے واسطے توبہ کی۔ آپ فرمایا کرتے کہ دیکھو سکھوں کو جھوٹے گرو کے پیچھے لگ گئے مگر مسلمان اپنے سچے نبی کے پیچھے نہیں چل سکے۔

حکیم علی محمد صاحب خلف حکیم پیر بخش سکنہ بلو کی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے سخت جذبہ میں فرمایا کہ اب تمہارے والد صاحب کس جگہ رہتے ہیں۔ جس سے حاضرین سمجھے کہ شاید واقعی یہ کوئی خبر پوچھ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی یا حضرت وہ تو فوت ہو چکے ہیں تب آپنے ارشاد فرمایا کہ

Marfat.com

اچھے آدمی فوت بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر ضرور فوت ہو جاتے ہیں تو یہ دنیا باطل ٹھہری۔ پھر اس کے ساتھ صحبت کیسی بس یہی کلید معرفت ہے۔ آدمی کو یقیناً فناہ ہونا ہے اور عنداللہ حساب دینا ہے جس کا یہ خیال پختہ ہو جائے اس کے لیے نجات ہے۔

تبلیغی عادات کا خاکہ: ایک دفعہ آپ حجرہ شریف لے گئے۔ چونکہ یہ جگہ بھی آپ کے بزرگوں کا پرخانہ تھا گدی نشین صاحب کی داڑھی کتری ہوئی اور نماز کے اوقات کی پابندی کا اہتمام نہ تھا اور انہوں نے شکار کے واسطے بندوق اور کتے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ نے اُن سے فرمایا کہ یہ کونسا طریق ہے جو آپ نے اختیار کر رکھا ہے۔ کیا آپکے آباؤ اجداد ایسا کیا کرتے تھے۔ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سُنت ہے؟ یہ سُن کر وہ بہت شرمندہ ہوئے اور زار زار روئے اور کہا۔ میں نے سب کچھ اپنے بزرگوں کے خلاف کیا ہے۔ اب میری توبہ۔ آئندہ ایسا کام کبھی نہیں کروں گا اور آپکے ہاتھ پر توبہ کی۔

اکثر مولوی صاحبان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے کہ اب شریعت کی پابندی کا کیا حال ہے؟ بعض تو کہتے کہ اب تو شریعت کی پابندی کا حال بہت اچھا ہے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں۔ آپ فرماتے کہ آپس میں حقوق کا کیا حال ہے؟ باپ بیٹے کا دشمن۔ عورت خاوند کی دشمن ہمسایہ ہمسایہ کا دشمن ایہ کیا شریعت کی پابندی ہے پھر ان کی آنکھیں کھلتیں اور ہوش آتا وہ کہتے کہ اب لوگوں نے شریعت اور قرآن شریف کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ پھر آپ پوچھتے کہ آیا آج سے بیس سال پہلے لوگوں کا یہ حال تھا، تو صاف جواب ملتا کہ اس سے پہلے آپس میں جمعیت تھی۔ اخلاص تھا ہمدردی تھی وہ تو اب بالکل مفقود ہیں۔ آپ فرماتے یہ سب انگریزیت عیسائیت کا اثر ہے

ایک دن ایک ریلوے سپرنٹنڈنٹ آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ داڑھی مونچھ صفاچٹ ٹوپی سر پر۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ آپ کو کیا تنخواہ ملتی ہے اُس نے بتایا کہ ہزار بارہ سو۔ آپ نے ایک تھپڑ ایسے زور سے اس کے منہ پر مارا کہ اُس کی ٹوپی دور جا پڑی کہ یہ ہزار روپیہ تم کو منکر نکیر سے بچالیں گے اور پل صراط پر اسی کے سہارے اُترجانا حساب کے وقت رشوت دے کر جنت میں چلے جانا یہ مسلمانی ہے سب انگریزوں کے بچے ہیں۔ انگلستان میں بن باپ کے ایسے ہوتے ہیں ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند!
روز و شب در بق بق و در زق زق اند
اہل دنیا چہ کہین و چہ مہیں
لعنت اللہ علیہم اجمعین!

بقیہ صفحہ نمبر ۲۵

Marfat.com

معمولات

ولی اللہ کی معنوی صورت کا نقشہ عادات و معمولات ہوتے ہیں۔ فقر کا انداز دیکھنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی آئینہ حقیقت نما نہیں ہوتا کیونکہ ظاہری صورت کی ایک ایک جنبش باطنی صورت کی تحریک سے ہوتی ہے جتنے کسی کے معمولات و عادات اچھے اتنی ہی اُس کی روح میں پاکیزگی زیادہ اور جس قدر معمولات میں استقرار اُسی درجہ میں ذاتِ ولایت کا درجہ بلند۔ عزیمت کی قدر اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمائی۔

حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک والہانہ طبیعت سے سرفراز فرمایا تھا جو سراسر محبت سراسر درد سراسر سوز تھی۔ جس کا لازم خاصہ بےچینی و بےقراری تھی۔ آپ جب تک مغلوب الحال رہے مجنون کہلائے لیکن جب حال آپ کے سامنے مغلوب ہو گیا اور ہر حرکت ہر عادت اتباع سنت کے مطابق ہونے لگی تو ظاہری بےقراری کا توجہ قلبی بےقراری و بےچینی کے ساتھ مل گیا۔ چنانچہ اکثر فرماتے تھے کہ "پہلے جنوں باہر تھا اب اندر چلا گیا۔ اب میں کیا کروں"۔

ایسے وجود باجود کو اطمینان و تسکین کہاں کہ وہ اپنے معمولات میں راسخ دکھائی دے۔ ایک طرف محبت علم ازلیہ کا جوش دوسری طرف اتباع رسول ﷺ کا شوق۔ اس پر طرفہ یہ کہ خلق اللہ سے وابستگی یہ تینوں کامل جذبے آپس میں اس طرح آپ کی ذات بابرکات میں مرکب تھے کہ تمیز مشکل تھی۔ اور ایک پر ایک کو فوقیت نہ دی جا سکتی تھی۔ ہر ایک موقعہ پر یہ تینوں جذبے اپنا اپنا پورا اثر دکھاتے اور کسی ایک کا غلبہ بن جانا اللہ ہی ہوتا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ ولی اللہ پر گرفت نہیں ہوتی۔ قصہ خضر علیہ السلام قصہ ہائے موسیٰ علیہ السلام جہاں محبت خلق کی وابستگی میں ذات بابرکات عز اسمہ کو بھی صاف لفظوں میں گستاخانہ الفاظ ان ہیَ الا فتنتک کافی وافی شاہد ہیں۔

تاہم حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمولات اپنے اخلاق اپنے عادات میں اس درجہ عزیمت رکھتے تھے کہ ایک بار بھی آپ کا قدم عزیمت سے نہ لڑکھڑایا۔ خواہ کسی قدر ضروریات یا موانع اس کے برخلاف رونما ہوتے ہوں۔

ٹوپی پگڑی آخری دم تک سر سے نہ سرکی۔ نشست و برخاست میں کبھی تبدیلی نہ ہوئی۔ ہمیشہ دوزانو باآداب خلوت و جلوت میں رہے۔ جوتا لباس ایک ہی طرز کا سادہ ستھرا سفید استعمال کیا۔ مسجد سے کبھی داہنے قدم سے باہر تشریف نہ لائے اور نہ کبھی بائیں سے داخل ہوتے۔

Marfat.com

ایک بار خادم نے اگالدان دائیں طرف سے پیش کیا تو آپ نے اِس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر فرمایا۔ یہ میرا بایاں ہے۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح خود معمولات اور اتباع سنت پر عزیمت رکھتے تھے اسی طرح سب یارانِ طریقت اور جان نثارانِ الفت سے توقع فرماتے تھے اگر کسی کو اس کے برخلاف دیکھ پاتے تو پورے طیش میں آکر تنبیہ فرماتے۔ بلکہ نو واردین قدم بوسان درگاہ سے بھی آپکو یہی اُمید ہوتی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گیا تھا کہ ہر جانے والا حاضری سے پیشتر اپنے آپ کو درست کر کے حاضر ہوتا اور اپنے ہر ایک فعل ہر ایک حرکت کو سنت نبویہ علیہ التحیۃ والسلام کے مطابق کرنے میں کوشاں رہتا۔

اگرچہ یہ صفت عزیمت بھی کمالات وہبیہ سے ہے لیکن درحقیقت اسے کمالات کسبیہ سے زیادہ تعلق ہے۔ درد و محبت سوز و گداز کے ساتھ اس کا جمع ہونا نہایت ہی مشکل۔ بلکہ ایک حد تک ناممکن ہے۔

لیکن اتباع سنت کے شوق نے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں یہ ناممکن ممکن کر دکھایا۔ یہ ہی ایک علو کمال تھا جس نے یگانوں و بیگانوں کو ایک عقیدہ پر قائم کر دیا کہ آپ ایک اولوالعزم ولی اللہ ہیں اور آج دنیا میں آپ کی نظیر نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے گو کہ ہزاروں اولیا اپنے درجہ کمالات میں ممتاز ہوں گے لیکن اس صفت اس درجہ کی عزیمت رکھنے والے بزرگ نایاب ہیں۔

جس طرح دوسرے ابواب کی عدم تکمیل کا ہمیں اقرار ہے۔ اسی طرح یہ باب ہی اپنے نامکمل ہونے کا ثبوت خود دے رہا ہے۔ ابھی بہت کچھ ضرورت تھی کہ اس میں بیان کیا جاتا لیکن

"فعتہ العشق لا انفصام لہا"،

کی وجہ سے شاید مؤلف صاحب سلمہ نے اختصار سے کام لے کر نمونتاً ہدیہ پیش کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک اخلاص مند کے لیے یہ تھوڑا ابھی بہت ہے۔

عبادات:

آپ عشا کی نماز اکثر آخر وقت کر کے پڑھا کرتے تھے۔ کبھی مہمانوں کو کھانا عشا سے پہلے کھلاتے اور کبھی بعد میں۔ اگر کوئی شخص رات کو بارہ یا ایک بجے بھی آجاتا۔ تو کھانا موجود ہی رہتا۔ رات کے بارہ بجے تک آپ اکثر یاروں کی جانب توجہ فرماتے رہتے اور کبھی مسائل بیان فرماتے۔ پھر گھر میں تشریف لے جاتے۔ تہجد کی نماز آپ گھر میں ادا کرتے۔ اکثر وتر آپ پہلی رات ہی پڑھ لیتے۔ نماز فجر کے وقت مسجد میں تشریف لے آتے اکثر نماز آپ کے چچا حمید الدین ہی پڑھایا کرتے تھے۔ کبھی چچا صاحب پڑھاتے ہوتے تو آپ ہی پڑھاتے۔ پھر درود خضریہ شماروں پر تمام یاروں سے مل کر پڑھتے۔ بعد ادائے نماز اشراق بچوں کو قرآن مجید کا درس فرماتے۔ جو بچہ بھاگ جاتا یا اسے

Marfat.com

سبق نہ آتا تو آپ اُسے دو انگلیوں سے چٹکی جسے
پنجابی میں (چوہنڈی) کہتے ہیں سے سزا دیتے بعد
فراغت تدریس گیارہ بجے پھر مہمانوں کے لیے
کھانا خود گھر سے اُٹھا اُٹھا کر لاتے اور خود ہی اپنے
ہاتھ سے سالن برتن میں ڈال کر مہمانوں کے آگے رکھتے
اور ان کے ہاتھ بھی خود دُھلاتے۔ اگر دسترخوان
پر کسی کا پاؤں آجاتا تو سخت ناراض ہوتے۔ آپ
سب مہمانوں کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرماتے
اُس وقت اگر روٹیوں میں کوئی سوکھی باسی ہوتی۔
تو اسے خود اختیار فرماتے۔ ہر لقمہ اٹھاتے وقت
بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے اور کھانا آہستہ آہستہ
کھاتے اور لقمے چھوٹے چھوٹے کھایا کرتے۔
کھانے میں یاروں کیطرف توجہ فرماتے رہتے۔
جب آپ دیکھتے کہ سب نے کھانا کھالیا ہے تب
آپ ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرماتے۔ پھر ظہر کی نماز سے
پہلے تھوڑا عرصہ قیلولہ یعنی لیٹ کر آرام فرماتے
پھر ظہر کی نماز اول وقت پڑھتے۔ اسی طرح عصر
کی نماز بھی آپ اول وقت ہی ادا فرماتے۔ عصر
کے فرضوں سے پہلے چار رکعت سنت بھی پڑھتے
پھر قبل از نماز مغرب وضو فرماتے ہر وضو میں
آپ کسی سے مدد نہ لیتے۔ وضو میں اگر کوئی بات
چیت کرتا تو سخت ناراض ہوتے۔ وضو کے بعد
ریش مبارک پر خلال بھی کرتے اور کنگھی بھی کرتے۔
وضو کر کے مسواک کو اپنے پاس رکھتے۔ وضو میں
مستحب کی بڑی رعایت رکھتے اور پانی بھی وضو میں

بہت کم خرچ کرتے۔ نماز جمعہ حنفی مذہب کے مطابق
ادا فرماتے۔ نمازِ تراویح بیس رکعت سے ادا فرماتے
تھے اور ہر چار رکعت کے بعد تسبیح بڑی دلجمعی سے
اور شوق سے پڑھا کرتے تھے اور قرآن شریف کا ختم
بھی سنتے تھے کبھی کبھی آپ لاہور تشریف لے جا
کر اکثر حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کی مسجد میں حافظ فخر الدین صاحب کے پیچھے قرآن
سنتے تھے۔ خواہ آپ سفر میں ہوں خواہ حضر میں تراویح
کی آپ بیس رکعت ہی ادا فرماتے تھے۔ آپ سوائے
تراویح کے دیگر نفلوں کی جماعت کو پسند نہیں فرماتے
تھے۔ جنازے کی نماز کے لیے اکثر شامل ہوا کرتے
تھے اور پس ماندگان کے پاس برائے فاتحہ خوانی
بھی جاتے تھے جا کر ہاتھ پہلے اٹھا لیتے اور زبان
سے اللہ اکبر اللہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد
پھر سورۃ الحمد پھر فاتحہ پڑھ کر متوفی کے لیے دُعائے
مغفرت فرماتے۔ پھر تھوڑا عرصہ بیٹھ کر چلے آتے۔ آپ
اکثر قبرستان میں جاتے اور قبروں کی زیارت فرماتے
اور مراقبہ کر کے بیٹھ جاتے اور کبھی کھڑے ہی رہتے
اور موتی کے واسطے دُعائے مغفرت کرتے اور
کسی قبر کے پاؤں کو ہاتھ نہ لگاتے۔ آپ فرماتے
تھے کہ قبر کو ہاتھ لگانے سے کیا ہوتا ہے۔ جب
تک دل نہ لگے کئی دفعہ اتفاق ہوا کہ آپ کے اوپر کی
پلکوں سے آنسو قطرہ قطرہ ہو کر گرتے ہیں۔ آپ
مزاروں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے اور پھر دُعا
فرما کر واپس آتے اور راستہ میں چلتے چلتے بے ساختہ

Marfat.com

آپ کی زبان مبارک سے اللہ اکبر نکل جاتا اور اگر بازار میں کہیں بکرے کی ہڈی دیکھتے تو فرماتے یہ ہڈی جائے عبرت نہیں ہے؟ یہ بھی تو کل زندہ تھا آج اس کی ہڈیاں بازار میں خوار ہو رہی ہیں۔

آپؒ کی دُعا: آپ اکثر دُعا مندرجہ ذیل کلمات سے فرمایا کرتے تھے۔

ظاہر و باطن ہو برائے خُدا
چاہو خُدا سے نہ سوائے خُدا
دمبدم اس کی رہے جستجو
اور نہ کچھ مطلق رہے آرزو

یہ چونکہ یہ اشعار آپ ہاتھ اُٹھا کر پڑھا کرتے تھے۔ عام لوگ اسے دُعا ہی سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ دُعا کے کلمے نہیں ہیں۔ بلکہ تبلیغی کلمات ہیں۔ ان کا مطلب ابھی کچھ لکھ دیتا ہوں۔ خاندان نقشبندیہ عالیہ کا طریقہ ہے کہ بوقت ذکر یا مراقبہ یہ دُعا مانگتے ہیں۔ الٰہی مقصود من توئی و رضائے تست۔ دُنیا و آخرت برائے تو ترک کردم یعنی الٰہی مقصود میرا تو ہے اور رضا تیری دنیا اور آخرت کو تیرے واسطے ترک کرتا ہوں اور دُعا حضرت خواجہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ صاحب شرح فصوص الحکم لکھتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد عبادت الٰہی میں کھڑے ہوئے تو پاؤں کی ایڑیاں زمین سے اُٹھا کر صرف پنجوں کے بل ساری رات قیام کیا۔ آپ کی تھوڑی سینہ مبارک کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اور آنکھیں حیرت میں کھلی ہوئی تھیں اور مطلق بند نہ ہوتی تھیں۔ جب صبح ہوئی تو آپ سجدہ میں گئے اور بہت لمبا سجدہ کیا۔ اور پھر فارغ ہو کر بیٹھے اور یہ دُعا مانگی۔ الٰہی ایک قوم تیرے دیدار کی طالب بنی تو نے اُنہیں سمندر پر بے کشتی چلنا اور ہوا میں اڑنا عطا کیا وہ قوم اس میں راضی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں ایسی باتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الٰہی ایک قوم نے تجھے طلب کیا اور تیرے دیدار کی طالب ہوئی اور تیری تلاش و جستجو شروع کی۔ جب وہ تیرے حضور میں تجھے مانگتے ہوئے آئے تو تُو نے زمین کا سمٹ جانا اور ان کے پاؤں کے نیچے سینکڑوں میل کی مسافت ایک دم طے کرنا عطا فرمایا اور یہ بھی تھوڑا سا لے کر خوش ہو گئے۔ مگر میں اے پاک ذات ایسی چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الٰہی ایک قوم نے تجھے طلب کیا اور ڈھونڈنا چاہا اور بے حد مشقتیں اور محنتیں اٹھا کر جب تیرے قریب آئے تو تُو نے اُن کو زمین کے خزانے عنایت کر دیئے اور وہ اسی کو لے کر خوشی سے بیٹھ گئے مگر میں تیری جناب میں ایسی باتوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ الٰہی ایک قوم نے تجھے چاہا اور تیری طلب و جستجو شروع کی تو نے انہیں اپنے بندے خضر علیہ السلام سے ملا دیا۔ حالانکہ وہ تجھے خود ڈھونڈ رہے تھے مگر وہ حضرت خضر علیہ السلام سے ہی مل کر خوش ہو بیٹھے۔ لیکن میں تیرے حضور میں ایسی باتوں سے پناہ مانگتا ہوں

Marfat.com

الٰہی! ایک قوم نے تیری جستجو کی۔ تو نے انہیں جنت کا معائنہ کرایا اور وہ جنت کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ مگر میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں الٰہی ایک قوم تیری حضور میں بخشش کی درخواست کی۔ تو نے ان سے شفاعت کا وعدہ کیا وہ اتنے میں خوش ہو گئے اور تیری تلاش چھوڑ دی۔ اے باری تعالےٰ میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ سوائے تیرے تیری ذات پاک کے دو جہان میں کسی شے کی خواہش کروں۔ یا مانگوں! ہاں ہاں! سبحان اللہ میں تو اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو تیرے محبوب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا ہے جن کی شان میں مازاغ البصر وما طغےٰ نازل ہوا۔

مولوی چراغ الدین صاحب کنہ اٹاری فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ وضو کرتے وقت کوئی بات نہ فرماتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک بزرگ واجب التعظیم نے آپ کو وضو کرتے بلایا تو آپ نے بالکل جواب نہ دیا۔ بعد میں فرمایا کہ وضو میں کلام کرنا منع ہے بلکہ سلام کا جواب بھی وضو کے بعد ہی دینا چاہیئے۔ اس میں جناب حضور علیہ السلام کے فرمان کی عظمت ہے۔ آپ اپنی جوتی کا سرا ہمیشہ قبلہ کی طرف رکھتے اور اگر کسی شخص کی جوتی کی پشت قبلہ کی طرف نہ ہوتی تو آپ اپنے دستِ مبارک سے اس کو خود درست کر دیتے اور لوٹے کی ٹوٹی ہمیشہ قبلہ رو رکھتے۔ اگر کوئی نادانستگی سے اس کے برخلاف کرتا تو آپ خفگی ظاہر فرماتے

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو لوٹا رکھنے کو فرمایا اس نے لوٹے کی ٹوٹی کو غیر قبلہ کی جانب رکھا تو آپ کو سخت رنج ہوا اور لوٹے کی ٹوٹی خود بخود قبلہ رُو ہو گئی اور اس شخص کا حال بند ہو گیا۔

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی زیارت کو گئے تو انہوں نے قبلہ کی طرف تھوکا آپ اسی وقت واپس تشریف لے آئے اور فرمایا جو شخص اسلام کا ادب نہیں جانتا۔ اس سے فائدہ کیا ہو گا۔

حضرت قبلہ میاں صاحب علیہ الرحمۃ اگر سفر میں ہوتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو چار نفل ضرور پڑھ لیتے آپ نے اپنی تمام عمر میں نماز اشراق قضا نہیں کی۔

آپ ہمیشہ دو زانو بیٹھا کرتے اور جو کوئی آتا اُس کو بھی یہی تعلیم دیتے اور فرماتے کہ اسلام تو ادب ہی ادب ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث ہے کہ ایک دن جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور حضرت کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے اور آپ سے پوچھا اسلام کیا ہے اور احسان کیا ہے؟ قیامت کب ہو گی۔ سب سوالوں کا جواب حضور نے باصواب دیا۔ جب وہ چلے گئے تو صحابہ کرام نے

Marfat.com

پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون شخص تھا آپ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ تم کو دین اور ادب سکھانے کے واسطے آئے تھے

اصل حدیث شریف ہجرت میں دسویں سال حضرت جبرائیل علیہ السلام مرد کی صورت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوئے۔ بال ان کے سیاہ لباس سفید غایت درجہ حسین اور خوبصورت تھے۔ حضور پاک کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے دونو ہاتھ آپ کے دونو زانوؤں پر رکھ دیے۔ حاضرین میں سے کوئی بھی انہیں پہچانتا نہ تھا۔ چونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چہرے پر نہ تو آثار سفر تھے اور نہ کوئی گرد و غبار معلوم ہوتا تھا اس لیے صحابہ کرام انہیں دیکھ کر تعجب میں تھے کہ یہ اجنبی بلا تکلف کیسے خدمت اقدس میں آن بیٹھا ہے۔ حضرت جبرائیل نے آپ سے ایمان۔ اسلام۔ احسان کے معنے پوچھے۔ پوچھا۔ یا رسول اللہ مجھے اسلام کی حقیقت بتلایئے۔ حضور نے فرمایا کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ سوائے خدا کے بندگی کے لائق کوئی نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ نماز کو ٹھیک طور سے پڑھو زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو اور اگر خرچ ہو تو حج کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ نے بہت ٹھیک جواب دیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حضور نے فرمایا کہ تم دل سے اللہ تعالےٰ کو اور اس کے فرشتوں کو اس کی کتابوں کو اس کے پیغمبروں کو قیامت اور بھلی اور بری تقدیر کو مانو۔ جبرائیل نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ احسان اور خلاص کی حقیقت سے مجھے آگاہ فرمایئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت اس طرح کر کہ اللہ تعالےٰ تیرے سامنے موجود ہے اور تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ بات تم کو میسر ہو سکے تو یہی جان کہ خدا تعالےٰ تمکو دیکھ رہا ہے۔ اس کو اخلاص کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ آپ نے بہت ٹھیک جواب دیا۔ پھر جبرائیل نے پوچھا قیامت کب ہوگی۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا۔ یہاں جواب دینے والے اور پوچھنے والے کی حالت ایک ہے ہم تم دونو برابر ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام نے بیان کیا کہ اس کے کچھ نشان ہی فرما دیجیے۔ حضور نے فرمایا کہ لونڈی اپنے مالک کو اور مربی کو جنے گی۔ یعنی کنیزک زادوں کی کثرت اور کمینوں کا عروج ہوگا۔ محتاج بکریاں چرانے والے ننگے پاؤں چلنے والے عالی شان محلوں میں بیٹھ کر ڈینگیں ماریں گے۔ جب جبرائیل علیہ السلام سب سوال پوچھ کر چلے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون تھے۔؟

Marfat.com

حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں دین اور ادب سکھلانے آئے تھے اس حدیث شریف کو حدیث جبرائیل کہتے ہیں۔ کیونکہ سائل اس میں جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ اس کا نام اُم الاحادیث اور اُم الجوامع ہے۔ یہ حدیث حدیثوں کی جڑ ہے۔ اس میں چار باتیں جبرائیل علیہ السلام نے دریافت کیں۔ حقیقت اسلام۔ حقیقت ایمان۔ احسان اخلاص قیامت جس میں سب کچھ آگیا۔

جمعہ کے خطبہ میں اگر کوئی شخص دو زانو نہ بیٹھتا تو آپ اسے سخت تنبیہ فرماتے اور فرماتے المومن فی المسجد کالسمک فی الماء المنافق فی المسجد کالطیر فی القفس یعنی مومن مسجد میں ایسا آرام پاتا ہے جیسے مچھلی پانی میں اور منافق مسجد کے اندر ایسا تنگ ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے میں۔

آپ نماز میں کھڑے ہوتے وقت اِدھر اُدھر نظر فرمالیا کرتے تھے اور فرماتے کہ پاؤں کے انگوٹھے ہمیشہ قبلہ کی طرف رہنے چاہییں۔ بعض آدمی ایڑیاں ملا دیتے ہیں اور پنجے کھلے رہنے دیتے ہیں اس طرح سے انگوٹھوں کے سرے قبلہ کی جانب نہیں رہ سکتے اور کوئی شخص ایڑیاں ملائے اور پنجے کھلے نماز میں کھڑا ہوتا تو آپ اپنے دست مبارک سے سیدھا کر دیتے اور فرماتے کہ ایڑیوں اور پنجوں کا درمیانی فاصلہ برابر ہونا چاہیئے اور چار یا چھ انگل سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

درود شریف پڑھتے وقت یہ خیال ہو کر اللہ کریم کی حضوری میں رسول پاک ہیں اور اُن کی سرکار میں درود شریف پڑھ رہا ہوں۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوتے۔ نہایت خضوع و خشوع سے یہ دُعا مانگا کرتے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

یا الٰہی تو کریمی و رسول تو کریم
واہ چہ خوبست کہ ایم میان دو کریم
کریمابہ بخشائے بر حال ما!
کہ ہستم اسیر کمند ہوا
نگہدار ما را ز راہ خطا
خطا در گذار و صوابم نما
اے خاصۂ خاصان رسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تیری وقت عجب آن پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
ظاہر و باطن ہو برائے خدا
چاہے خدا سے نہ سوائے خدا
اے مولا میرے والی ولی
کر عطا مجھ کو بطفیل نبی!
دیدہ بینا ہو ہر اک موئے تن
محو تجلی رہے روح و بدن

Marfat.com

اور جو مسلماں ہیں بھائی میرے
فضل سے اپنے انہیں یہ رتبہ دے
خداوندا مسلمانم مسلمانی نمیدانم
ولیکن چوں مسلمانم مسلمان داریا اللہ

آپ اس قسم کے بہت اشعار پڑھا کرتے تھے حدیث شریف میں آیا ہے اَلدُّنیا مزرعۃ الآخرۃ آپ اس کی تفسیر میں مذکورہ اشعار پڑھا کرتے۔

ہر کام میں آپ وتر یعنی طاق کا اکثر خیال کیا کرتے۔ جب کوئی چیز خریدتے تو وتر کے لحاظ سے حتیٰ کہ مہمانوں کے آگے روٹیاں تین تین ہی رکھتے اور فرماتے ان اللہ وتر یحب الوتر۔ آپ چلتے وقت اسی کا خیال رکھتے۔ اپنے دوستوں کا بہت ادب کرتے۔ رفتار میں اپنے دوست کو داہنی طرف رکھتے اور خود بائیں طرف چلتے آپ اگال دان کو اکثر اپنے ہاتھ سے پکڑتے اور بائیں طرف رکھتے۔ آپ ہر چیز کو اپنے دائیں ہاتھ سے لیتے اور دائیں ہاتھ میں دیتے مگر روپے پیسے کو بائیں ہاتھ میں دیتے اور بائیں ہی ہاتھ سے پکڑتے۔

آپ نے ایک لکڑی کی سرکی کی بنائی ہوئی تھی۔ جس پر آپ دو زانو بیٹھتے۔ کبھی آرام فرما لیتے سوتے تو اینٹ کا سرہانہ یا مٹی کا گملا سر کے نیچے رکھ لیتے۔ آپ فرماتے متقدمین میں ایسے بزرگ گزرے ہیں جو اپنے پیروں کے سامنے دو زانو بیٹھتے تو ان کے پاؤں کے نیچے کوڑی کوڑی کے برابر کنکر ہوتے۔ مگر ان کو کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ آپ اکثر دوزانو نشست فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی عادت تھی کہ گرمی کے موسم میں دو کرتے پہنا کرتے تھے اگر کوئی سوالی آجاتا تو ایک کرتا اتار کر دے دیتے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ بازار یا کسی رستے میں کوئی شخص مل جاتا تو اس کو خود السلام علیکم کہتے۔ اگر کوئی بدعتی یا فاسق مل جاتا تو بعض وقت اس سے سخت بیزار ہوتے اور بعض دفعہ شفقت سے سمجھاتے اگر کوئی غیر مسلم تعظیم کے لیے جھک جاتا یا گھٹنوں کو ہاتھ لگاتا تو آپ خاموش رہتے۔ مگر کوئی مسلمان ایسا کرتا تو سخت ناراض ہوتے۔

پیر کا کیا کام ہے:

صوفی ابراہیم صاحب قصوری رقم طراز ہیں کہ ایک روز میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قرآن شریف میں تو سب کچھ ہے۔ ذکر اذکار کی آیات بھی ہیں۔ پھر پیر کیا کرتے ہیں۔ بندہ نے عرض کی کہ قرآن شریف میں جو آیات ذکر کے متعلق ہیں یا معیت کے متعلق ہیں۔ یا اقربیت کے متعلق ہیں۔ یا انفس کے متعلق ہیں۔ پیر کامل ان کی کیفیت اور مشاہدہ طاری کر دیتا ہے اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے بھی یہی جواب دیا ہے۔ آپ سن کر بہت خوش ہوئے

ایک روز آپ نے خداوند کریم کی معیت کا سوال کیا۔ بندہ نے اس پر بہت تقریر عرض کی۔ آپ سن کر بہت خوش ہوئے۔

Marfat.com

سرورِ کائنات کی زیارت کا طریقہ

حاجی نواب خاں صاحب ولد عمر خانصاحب راجپوت ساکن میر محمد علاقہ قصور جو اہلِ حدیث مشرب ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خواہش تھی کہ حضرت سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے مولوی عزیز الدین صاحب امام مسجد ستوکی نے مجھے ترغیب دی کہ میں حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں شرق پور شریف جاؤں۔ بنا بریں ہم دونوں شرقپور شریف حاضر خدمت ہوئے۔ ایک شب و روز وہاں قیام کیا۔ اگلے روز عصر کے وقت حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ میں بہت گنہگار ہوں۔ میری یہ خواہش ہے کہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے باریاب ہو جاؤں۔ میں نے یہ سنا ہے کہ آپ مکہ شریف میں کبھی کبھی نماز گزارتے ہیں۔ آپ نے نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ تم کو کس نے کہا ہے جب میں نے مولوی عزیز الدین کا حوالہ دیا تو آپ نے اسے سرزنش کی۔ بعد ازاں میرے زانوؤں کو دبا کر فرمایا کہ نمازِ عشا کے بعد چار سو بار درود خضریہ پڑھ کر کسی سے کلام کیے بغیر سو جایا کرو۔ انشاء اللہ تم کو گوہرِ مقصود مل جائے گا۔ میں نے آٹھ روز تک یہ عمل کیا اور نوافل تہجد ادا کرنے کے بعد جائے نماز پر بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے اونگھ آگئی۔ ناگاہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں بیت اللہ شریف میں ہوں اور میرے آگے حضرت میانصاحب علیہ الرحمۃ طواف فرما رہے تھے میں نے بھی آپ کی تقلید کی بعدہٗ میں نے عرض کی کہ آپ تو فرماتے تھے کہ ہم یہاں تشریف نہیں لایا کرتے تھے؟ آپ نے مجھے اس وقت مہر سکوت لگانے کی ہدایت کی۔ بعدہٗ سرورِ کائنات فخرِ موجودات سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک بمعہ اصحاب اربعہ اور دس جلیل القدر صحابہ کرام کے تشریف لائے اور حضرت میانصاحب نے مجھے اُن حضرات کے اسماء گرامی بتلائے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور ہیں۔ میرے قلب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ میں نے حضرت میانصاحب علیہ الرحمۃ کو آبِ زمزم لے جانے کے لیے کہا۔ نیز عرض

Marfat.com

کی کہ مجھے اپنے ہمراہ باطنی راستہ سے واپس لے چلیں کیونکہ مجھے بحری راستہ سے سخت دقت کا سامنا ہوا ہے آپ نے خاموشی کا اشارہ کیا لعبدہٗ تمام جماعت وہاں سے روانہ ہوئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ مدینہ شریف میں وہی جماعت آگئی ہے۔ پھر میں نے آنحضرت کے روضہ مبارک کی بھی زیارت کی اور میاں صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ یہاں سے احباب و رفقا کے لیے کھجوریں تبرکاً لے جاؤں پھر بھی مجھے آپ نے خاموشی کی ہدایت کی۔ میں نے عرض کی کہ مجھ سے بحری راستہ سے سفر کی زحمت گوارا نہیں ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا۔ میرے پاؤں پر اپنے پاؤں رکھو اور آنکھیں بند کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور چشم زدن میں میں نے اپنے آپ کو لاہور میں پایا اور وہاں سے میں نے راجہ جنگ کا ٹکٹ لیا۔ اسٹیشن سے اُتر کر گاؤں کی طرف جا رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو وہی مُصلّےٰ اور وہی مکان! سبحان اللہ !!

حاجی نواب خاں صاحب کا بیان ہے کہ اُس سے پہلے بہت سے عُلماء کی خدمت میں میں نے عرض کی انہوں نے مجھے بہت چلّہ کشی کرائی۔ مولوی عبدالجبار اور مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری اور دیگر حضرات کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ ہر ایک صاحب نے وظائف فرمائے مگر اپنے مقصود میں کامیاب نہ ہوا اور جب حضرت میاں صاحب کی خدمت میں پہنچا تو گوہرِ مقصود کو پالیا۔ جو مکان مکہ شریف کے خواب میں دیکھے تھے ویسے ہی حج کرنے کے موقع پر جا دیکھے ہو بہو وہی سب کچھ تھا جو کہ خواب میں دیکھا۔ سبحان اللہ۔

درس
قرآنِ
حکیم

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
(پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی)
جامع مسجد شیر ربانی
اکبر روڈ ۔ مدینہ چوک ۔ وسن پورہ ۔ لاہور
میں ہر پیر کو بعد از نماز مغرب
درسِ قرآن دیتے ہیں !

Marfat.com

آپ کے عقائد

آپ سچے مسلمان حنفی المذہب تھے طریقت میں آپ کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ طریقہ سے تھا۔ عقائد بھی آپ کے وہی تھے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے تھے اسی لیے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے عقائد ہی درج کیے جاتے ہیں۔

۱: پہلا عقیدہ اللہ تعالے جل شانہٗ بذات مقدس خود موجود ہے اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں اور حق سبحانہ وتعالے اپنی ذات اور صفات اور افعال میں مفرد اور یگانہ ہے اور فی الحقیقت کوئی بھی کسی امر اور کسی صفت میں اس کے ساتھ ہرگز شریک نہیں۔ خواہ وہ صفت صفتِ وجود ہو یا غیر وجود۔ مناسبتِ لفظی و مشارکتِ اسمی بحث سے خارج ہے اللہ تعالے جل شانہٗ کے صفات اور افعال اس کی ذات کیطرح بے چون اور بچگون اور بے مثل و بے کیف وکم ہیں۔

۲: دوسرا عقیدہ اللہ تعالے جلشانہٗ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اور اللہ تعالے تمام اشیا اور موجودات کا مُحیط ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے۔ اس احاطہ اور قرب و معیت سے وہ مُراد نہیں جو ہمارے فہم میں آسکے۔

۳: تیسرا عقیدہ: حق تعالے جل جلالہٗ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے کوئی چیز متحد ہو سکتی ہے۔

۴: چوتھا عقیدہ: حق تعالے جل جلالہٗ کی ذات اور اس کے صفات و افعال کیطرف تغیر کو راہ نہیں

۵: پانچواں عقیدہ۔ حق تعالے جل جلالہٗ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں غنی مطلق ہے اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں۔

۶: چھٹا عقیدہ: حق تعالے جل شانہٗ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزہ و مبرا ہے نہ جسم و جسمانی۔ نہ مکانی۔ نہ زمانی۔

۷: ساتواں عقیدہ: حق تعالے جل جلالہٗ قدیم و ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کو قدم و ازلیت ثابت نہیں۔

۸: آٹھواں عقیدہ: حق تعالے جل جلالہٗ قادر اور مختار ہے اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے مبرا و منزہ ہے۔

۹: نواں عقیدہ: تمام کے تمام ممکنات کیا جواہر اور کیا اعراض۔ کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے

Marfat.com

سب اس قادر مطلق کی ایجاد کی طرف منسوب ہیں۔ جہان کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔

۱۰: دسواں عقیدہ: حق تعالے جل جلالہٗ خیر و شر نیکی بدی کا ارادہ کرنے والا ہے اور ان دونو کو پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے رضی اور شر سے نہیں۔

۱۱: گیارہواں عقیدہ۔ آخرت میں مومن لوگ اللہ تعالے جل جلالہٗ کو بے جہت و بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔

۱۲: بارہواں عقیدہ: انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا۔ اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہے۔ اگر ان بزرگوں کا ذریعہ اور واسطہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اس واجب الوجود حق تعالے جل جلالہٗ کی مقدس ذات وصفات کی معرفت کیطرف کون ہدایت فرماتا اور ہمارے مولا جل شانہٗ کی رضا اور غیر رضا میں کوئی تمیز نہ کرتا۔ ہماری ناقص عقلیں ان بزرگوں کے نور دعوت کی تائید کے بغیر معذور بیکار ہیں اور ہماری ناتمام اور نامکمل فہم ان کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں مخذول و خوار ہے۔

۱۳: تیرہواں عقیدہ: قبر کا عذاب کافروں اور بعض گناہگار مومنوں کے لیے برحق ہے۔ مخبر صادق علیہ السلام نے اس کی نسبت خبر دی ہے

۱۴: چودہواں عقیدہ: قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر و نکیر کا سوال بھی برحق ہے۔

۱۵: پندرہواں عقیدہ: روز قیامت برحق ہے اور اس دن آسمان۔ زمین۔ ستارے۔ سورج چاند پہاڑ۔ سمندر اور حیوانات نباتات اور جمادات و معادن سب کے سب معدوم اور ناچیز ہو جائیں گے آسمان پھٹ جائیں گے۔ ستارے پراگندہ ہو کر گر جائیں گے اور زمین اور پہاڑ ذرات ہو کر اُڑ جائیں گے۔

۱۶: سولہواں عقیدہ: حساب۔ میزان۔ پلصراط برحق ہے۔

۱۷: سترہواں عقیدہ: بہشت اور دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور دوسرے کو دوزخ میں بھیج دیں گے اور ان کا ثواب عتاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

۱۸: اٹھارواں عقیدہ: فرشتے اللہ جل جلالہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں۔ کھانے پینے اور زن و مرد ہونے سے پاک و منزہ ہیں۔

۱۹: انیسواں عقیدہ: ایمان سے مراد ان تمام دینی امور کے ساتھ تصدیق قلبی ہے جو یقینی اور تواتر کے طریقہ پر ہم تک پہنچے ہیں۔ علمانے اقرار لسانی بھی ایمان کا رکن دکھلایا ہے:

۲۰: بیسواں عقیدہ: اولیاء اللہ کرامتیں اور انبیاء کے معجزات برحق ہیں:

۲۱: اکیسواں عقیدہ: افضلیت کی ترتیب خلفائے راشدین کے درمیان انکی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے

Marfat.com

حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

نواز رُومانی

بزرگانِ دین اللہ تبارک وتعالیٰ کے وہ مقبول ومقرب بندے ہیں جن کے متعلق ارشادِ ربانی ہے کہ وہ حزن وملال سے پاک ہیں۔ یہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کے پاس ایک ساعت گزارنا صد سالہ ریاکاری کی عبادت سے بہتر وافضل ہے ان کے وجود ایسے منبع نور ہیں جن کی روشنی میں انسان اپنی زندگی کے تاریک گوشوں کو منور و درخشاں کر سکتے ہیں۔ اور اپنی گم شدہ منزل کے نشان تلاش کر سکتے ہیں۔ حضرت میاں غلام اللہ ثانی لاثانی شرقپوری قدس سرہ بھی انہیں مردانِ حق میں سے تھے۔ جن کی روشن کی ہوئی رشد وہدایت کی قندیلیں آج بھی جگمگا رہی ہیں جسطرح کہ آپ کی حیاتی میں جگمگایا کرتی تھیں۔

ابتدائی دور میں آپ دُنیا کی طرف زیادہ مائل تھے۔ میٹرک تک پڑھنے کے بعد دینی تعلیم حاصل کی۔ پھر لاہور میں طبیہ کالج سے حکیم حاذق کا امتحان پاس کیا اور حکمت کا پیشہ اختیار کیا۔ کچھ عرصہ تک لوگوں کا علاج معالجہ کرتے رہے لیکن طبیعت جمی نہیں۔ حکمت کا پیشہ چھوڑ کر آپ نے بحیثیت سکریٹری میونسپل کمیٹی شرقپور شریف ملازمت اختیار کر لی لیکن طبیعت یہاں بھی مضطرب رہی۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ کو اپنے برادر اصغر کے بارے میں سب آگہی تھی۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ "ہم اسے کچھ بنانا چاہتے ہیں اور یہ کچھ اور بننا چاہتا ہے۔"

لیکن آپ کو علم و ادراک تھا کہ آج کا دُنیا دار غلام اللہ مستقبل کا روحانی پیشوا ہے۔ آپ انہیں کبھی کبھی سمجھایا بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ دیتے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں حضرت میاں صاحب کی درویشانہ وعارفانہ زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو۔

بچپن میں ہی والد بزرگوار حضرت میاں عزیز الدین کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ جانے کے بعد حضرت میاں شیر محمد شرقپوری نے ہی اپنے برادر اصغر کی کفالت و تربیت کی تھی اس لیے آپ کو ان سے بیٹوں کی طرح پیار تھا۔ حضرت میاں صاحب جب تپ محرقہ کے مرض الموت میں مبتلا ہوئے

Marfat.com

توجہاری نے قدرے طول کھینچا۔ آپ اس وقت کے منتظر تھے جب وہ اپنا علم و عرفان میاں غلام اللہ کے سینے میں منتقل فرما سکیں۔ آپ نے ان کی طرف توجہ فرمائی تو چند ہی روز کے بعد آپ حضرت میاں صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"بھائی جان! اگر آپ توجہ فرماتے تو لوگ مجھے چھوٹے میاں صاحب کے نام سے یاد کرتے۔" آپ نے سُنا تو چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا لیکن اس روز خاموش رہے۔ جب جمعۃ المبارک کا دن آیا تو نماز سے کچھ پہلے میاں غلام اللہ صاحب مسجد میں داخل ہوئے اور وضو کیا۔ دونوں بھائیوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ میاں صاحب نے پہلی مرتبہ اپنے بھائی کو توجہ کی نظر سے دیکھا۔ میاں غلام اللہ کا عجب حال ہوا کھڑے کھڑے گر پڑے اور فرش پر لوٹنے لگے۔ ریشمہ دوز جاگرا سکھڑی ٹوٹ گئی۔ انھوں نے گریبان چاک کیا اور دیوانوں کی طرح بھائی کے قدم پکڑنے لگے۔ میاں صاحب کے اشارے پر احباب میاں غلام اللہ کو مسجد کی چھت پر چھوڑ آئے۔ میاں صاحب نے جمعہ ادا کیا اور سنتیں پڑھ کے اوپر گئے تو بھائی کا وہی عالم تھا۔ میاں صاحب نے انھیں اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ متلاطم سمندر کو قرار آگیا۔ میاں غلام اللہ نے اس روز کے بعد سے بھائی کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ ولی کامل کی نظرِ خاص پڑتے اور زندگی کا رُخ نہ بدل جائے ناممکن ہے۔ لہٰذا فوراً آپ کا علائق دُنیا سے اس طرح ناطہ ٹوٹ گیا جیسے کبھی اس کے ساتھ تعلق واسطہ ہی نہ تھا۔ انہیں یوں لگا جیسے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ہاتھ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے دستِ مبارک میں دے دیا ہو۔ آپ آپ ہر وقت مصروفِ ذکر و فکر رہنے لگے۔

وصال سے قبل حضرت میاں شیر محمد شرقپوری نے حضرت میاں غلام اللہ کو بلا کر فرمایا "میاں! جمع پڑھاتا اور مسجد کو آباد رکھنا" اس سے چند دنوں بعد حضرت میاں صاحب اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔

حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور مخلصین و محبین اور دیگر افراد کو خطاب فرمایا۔ لوگ آپ کا بیان سن کر حیرت بدنداں رہ گئے۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی میاں غلام اللہ ہیں جن کو دُنیا داری سے فرصت نہ تھی اور اب اُن کے ذہن مبارک سے کلمات قدسیہ نکل رہے تھے۔

وقت کے ہم آہنگ جب آپ کے اوصافِ حمیدہ نکھر کر سامنے آئے تو لوگوں نے آپ کو بے انتہا سخی و عابد پایا۔ جہاں کہیں سنتِ رسول اللہ کی مخالفت دیکھتے تو مجاہدانہ انداز میں اس کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ زہد و

Marfat.com

زہد و تقوٰی و ورع میں آپ بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ طبیعت میں حلم و انکساری بے انتہا کی تھی۔ جس نے آپ کو بے حد ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ آپ بادہ عرفان الٰہی میں ہر وقت محو رہتے تھے انہیں اوصاف حمیدہ کے پیش نظر آپ ثانی لاثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت میاں غلام اللہ ثانی لاثانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ تیس سال سے زائد عرصہ تک سجادہ نشین رہے۔ اس دوران میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کے فیوض و برکات کو دور دور تک پھیلا دیا۔ مردہ دلوں میں حیات نو پیدا کر دی اور اللہ تعالےٰ کی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو پھر سے صراط مستقیم پر لا کر کھڑا کر دیا۔ آپ نہ صرف مریدین و محبین پر لطف و کرم فرمایا کرتے تھے بلکہ جو بھی آپ کی خدمت میں پہنچ جاتا دین و دنیا کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹتا۔

آپ سنت خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی شدت سے پابندی کرتے۔ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن فرماتے۔ سادہ رہن سہن رکھتے اور سادہ غذا کھاتے۔ آپ اپنے مرشد و ہادی اور برادر کلاں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ بزرگان دین کے ایام بڑی شان سے مناتے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ذوات با برکات کے حضور عقیدتوں اور عقیدتوں کے گلہائے رنگین بڑے اہتمام سے پیش کرتے اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کا انصرام بڑے تزک و احتشام سے فرماتے۔ آپ دین اسلام کے بہت بڑے مبلغ تھے۔ جب آپ تبلیغ و وعظ فرماتے تو لوگوں پر عجیب و غریب اسرار الٰہی اور رموز حقانی آشکارا ہوتے۔ اگر آج بھی ہمارے کان حقیقت کی آواز سننے کی اہلیت رکھتے ہوں تو اب بھی حضرت میاں غلام اللہ ثانی لاثانی شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی آواز حق سن سکتے ہیں جنہوں نے چار دانگ عالم میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور معرفت الٰہیہ کا ڈنکا بجا دیا تھا۔

روز افزوں رشد و ہدایت کے چراغوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہ کل نفس ذائقۃ الموت کا سندیسہ آگیا۔ اور آپ ۷ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ ہجری بروز بدھ بوقت ظہر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کے وصال کی خبر سن کر کہرام مچ گیا دور نزدیک سے لوگ اس مرد قلندر اور صاحب حال بزرگ کی زیارت کے لیے اُمڈ پڑے اور پھر انہیں روتی آنکھوں اور سوگوار دلوں سے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آپ کا عرس مبارک ہر سال ۱۷ - ۱۸ اکتوبر مطابق یکم دوم کاتک شرقپور شریف میں

بقیہ صفحہ نمبر ۴۵

Marfat.com

مظہرِ شریعت

ارادت کیش میخواہند دامان غلام اللہؒ بر شاہاں شرف دارند غلامان غلام اللہؒ

غلام سرور نقشبندی مجددی

آپ اعلیٰ حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے برادر حقیقی اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کی پیدائش شرقپور شریف میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں عزیز الدین تھا۔ آپ نے اپنی تعلیم لاہور میں مکمل کی۔ علوم دینی کے اکتساب کے بعد آپ نے علم طب کی طرف توجہ فرمائی اور اس فن سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاتے رہے اعلیٰ حضرت شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کیمیا صفت نے آپ کی طبیعت میں ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ علائق دنیوی آپ کی نظر میں ہیچ ہو گئے۔ اور راہ سلوک میں ایسا طاق فرما دیا کہ آئندہ نسلیں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت مجسم سے تا ابد اپنے دامن کو فیض سے بھرتی رہیں گی۔ اور اس چشمہ عرفان سے اعلم تشنہ کام اپنی تشنگی کی سیرابی حاصل کرتے رہیں گے۔ مرض الموت میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بلا کر فرمایا کہ جمعہ پڑھانا۔ مسجد کا انتظام رکھنا اور کوئی آئے تو اس کا اہتمام لازم رکھنا حضرت اعلیٰ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے حقیقی سجادہ نشین ثابت ہوئے۔ اور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشاد و تلقین فرمائی تھی بالکل اس کی مجسم تصویر تھے۔ اور وہ تمام اصول و ضوابط جو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متعین فرما رکھے تھے آپ ان کا عملی نمونہ تھے۔ گویا کہ آپ استعداد نسبتی بلند رکھتے ہوئے اپنے شیخ کامل کے جذبات کاملہ سے بھرپور اور ہو بہو اپنے شیخ کی نظیر تھے۔ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی اعلائے کلمۃ اللہ اور اجرائے شریعت حقہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اور سنت مطہرہ کی پیروی میں منفرد مقام تھا۔ اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں یگانہ روزگار تھے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی فرمانے کو اپنی اولین ذمہ داری تصور فرماتے تھے۔

اور خلاف سنت کوئی عمل آپ کو پسند نہ تھا۔ آپ نے طالبین کو علم باطنی سے نوازا اور علم ظاہری سے بھی سرفراز فرمایا۔ اور علوم شریعت کو عام کرنے کا خصوصی اہتمام کیا۔ آپ نے اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد کو زندہ تابندہ رکھنے کے لیے جامع حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاسیس فرمائی۔ جس میں قرآن و حدیث فقہ و تفسیر کے علاوہ متعدد علوم اسلامیہ کی تدریس کا اہتمام کیا۔ اس عظیم دینی درسگاہ کے قیام و طعام کے اخراجات کا آپ خود اہتمام فرماتے تھے۔ آپ نے تعمیر مساجد

Marfat.com

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور وہ تمام مساجد جو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچی تعمیر فرمائی تھیں۔ تمام کو پختہ کرنے کا اہتمام فرمایا اور تمام مساجد میں آئمہ وخطبار کو متعین فرمایا۔ اور آستانہ عالیہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا مصداق تھا۔

؎ خوشا مسجد و منبر و خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قال محمدؐ

آپ جمعہ خود پڑھاتے تھے اور مسجد میں لوگوں کو دوزانو بیٹھنے کا حکم دیتے۔ علمائے کرام کو شرقپور شریف میں دعوت دیتے اور دین اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ جاری وساری رہتا تھا کبھی محفل میلاد کی روح پرور محفل جمی ہوئی تھی۔ کبھی سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جلسہ کا انعقاد ہوتا اور کبھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذوات بابرکات کی قومی ملی، دینی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ آپ نے ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور ناموس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر قیمت پر اولیت بخشی اور اس کے احیار کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔ حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سرچشمۂ فیوض وبرکات تھی۔ آپ سنت مطہرہ کے داعی اور اتباع شریعت کے علمبردار تھے۔ آپ نے نقشبندی مجددی طریقہ کو فروغ بخشا اور کبھی باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہوئے۔ رضائے الٰہی کو تمام مصائب وآلام پر فائق سمجھتے تھے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے عظیم روحانی پیشوا

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ عقیدت تھی اور آپ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس مبارک کی تقریبات میں بڑے اہتمام سے شمولیت فرمایا کرتے تھے۔ آپ بزرگان دین کے مزارعات پر حاضر ہوتے اور فیض اخذ فرماتے۔ آپ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور بات چیت میں اخلاق محمدیؐ کا نمونہ تھے۔ اور ممدوح پر یہ رنگ کچھ ایسا چڑھا تھا کہ معلوم ہوتا گویا حضرت قبلہ کو سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی معیت کا فخر حاصل ہے۔ اور حضرت قبلہ براہ راست حضور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے تربیت یافتہ ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ بھی صلہ رحمی کرتے، مقروضوں کا بار اٹھاتے، غریبوں اور ناداروں کی اعانت کرتے۔ مہمانوں کی تواضع فرماتے، مظلوم کی حمایت کرتے، مصیبت میں کام آتے، برائی کے بدلے برائی نہ کرتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔ ذاتی معاملہ میں کسی سے رنجیدہ نہ ہوتے تھے۔ البتہ دین کے معاملہ میں غصہ میں آتے تھے ہر خیال اور طبقہ کے لوگوں کے ساتھ بلا روک ٹوک ملتے۔ علمار سے ملنے میں خود پہل کرتے۔ بازار میں چلتے وقت نگاہیں نیچی رکھتے۔ برق رفتاری سے چلتے اور سادہ خوراک کھاتے تھے۔ مگر مہمانوں کے لیے عمدہ کھانے بھی ہوتے۔ جس سے معلوم ہوتا کہ کسی "والی ریاست" کا دسترخوان ہے۔ آپ ملکی یا سیاسی دینی معاشرتی اور ملی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔

باقی صفحہ پر

مکتبہ نور اسلام کی کُتب
پروگریسو بکس ۴۰ بی اُردو بازار سے بھی دستیاب ہیں

Marfat.com

منبع فیوض و برکات

تحریر: مولانا منصب علی شرقپوری: صدر مدرس دارالمبلغین

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

ترجمہ: جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

جو خدا کا ہو گیا خدا بھی اس کا ہو گیا۔

حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ منبع فیوض و برکات معدن انوار عنایت مصدر کشف و کرامات اعلیحضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے برادر حقیقی اور سجادہ نشین تھے آپ کی پیدائش قصبہ شرقپور میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام میاں عزیز الدین تھا۔ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب کی نگاہ کی تاثیر نے آپ کی طبیعت میں ایک ایسا ولولہ پیدا کر دیا کہ دنیاوی سج دھج آپ کی نگاہوں میں ہیچ ہوگئی اور ذاتِ الٰہی سے خصوصی وابستگی پیدا ہوگئی۔ اگرچہ آپ ایک خدا رسیدہ انسان تھے لیکن اپنے احوال کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ گفتگو بہت کم فرماتے۔ آپ ان بزرگوں میں سے تھے جن کے سینے عشق الٰہی سے معمور اور جن کے دل حب رسول سے سرشار تھے لیکن آپ اپنی عظمتوں کا اظہار فرمانے کی بجائے ہمیشہ تواضع و انکسار سے کام لیتے تھے بقول علامہ اقبال ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

حضور ثانی لاثانی علیہ الرحمۃ کو پروردگار نے دلِ درد مند عطا فرمایا تھا اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے بے پایاں جذبے سے نوازا تھا۔

اس بنا پر آپ نے گراں قدر اور عظیم دینی و ملی خدمات انجام دیں آپ نے مسجدیں بنوائیں۔ دینی درسگاہیں قائم کیں اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا اور مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ کا مظہر ثابت ہوئے۔

حضور ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جنہیں دیکھنا چشمِ فلک کو کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے آپ سراپا سنتِ مصطفوی کا نمونہ تھے جب چلتے تو وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ

Marfat.com

الذین یمشون علی الارض ھوناً،
کی زندہ تفسیر دکھائی دیتے۔ جب گفتگو فرماتے
تو قولو للناس کی جھلک نظر آتی۔ جب
بازار سے گزر ہوتا تو یغضوا من ابصارِ
ھم کی تصویر نظر آتے۔ غرضیکہ آپ کے ہر
ہر فعل میں سنتِ نبوی کے انوار جلوہ گر نظر آتے
آپ کے شیخ اور مرشد اعلیٰ حضرت شیر ربانی
علیہ الرحمۃ کی تربیت کا یہ فیضان تھا کہ آپ اُن
کے حضور میں انتہائی ادب واحترام سے
بیٹھتے سر کو جھکائے ہوئے اور کمال شرم وحیا سے
نگاہوں کو نیچا کیے ہوئے کانّما علیٰ
رؤسہم الطیر کا مصداق نظر آتے
آپ کے ملنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں
کہ حضور ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مراقبے میں
کس قدر انہماک و استغراق حاصل تھا۔ خالقِ کائنات
نے آپ کو روحانی نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا
مادہ پرستی کی دلدل میں پھنسنے والے بے راہ روی کا
شکار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے جنکی روح کی دنیا
اُجڑ چکی ہوتی تھی۔ لیکن آپ کی صحبت کے فیضان
سے اُنکی روح کی دنیا آباد ہو جاتی اور وہ آپ کے
چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے آپ اُن کے ذہن و
قلب میں ایمان و ایقان کی وہ شمع روشن کرتے
جس سے اُن کی پوری زندگی منور ہو جاتی۔ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ مژدہ جانفزا
سنایا ہے کہ: من احیٰ سنتی عند فساد
امتی فلہ اجر مائۃ شہید
جس نے میری ایک سنت کو زندہ کیا اُسے سو
شہیدوں کا سا ثواب ملے گا۔ میری اُمت کے حالات دگرگوں
ہوتے وقت۔ من احیٰ سنتی کان معی فی الجنۃ
اور جس نے میری ایک سنت کو زندہ کیا وہ
قیامت کے روز جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔
بنا بریں حضور ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہ ان ارشادات
نبوی کی سراپا تعمیل تھے۔ ایک ایسے دور میں
جبکہ مغربی تہذیب کا دور دورہ تھا اور لوگ انگریزوں
کی روش کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ حضور ثانی لاثانی
نہ صرف خود دوزانو بیٹھتے بلکہ احباب کو دوزانو
بیٹھنے کی تلقین کرتے۔

یہ آپکے معمولات میں سے تھا کہ کھانے سے قبل
ہاتھ دھوتے پھر بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے۔
کھانا کھانے کے بعد دعا مانگتے۔ جب مسجد میں
داخل ہوتے تو ہمیشہ دایاں پاؤں اندر رکھتے اور
جب مسجد سے باہر نکلتے تو بایاں پاؤں باہر رکھتے
لوگوں کو سنتِ نبوی کی پیروی کی تلقین فرماتے
انہیں مسجد میں دوزانو بیٹھنے کی تاکید فرماتے اور
دُنیوی بات چیت سے منع فرماتے نماز کو جماعت
کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید فرماتے۔ قریباً تیس
برس حضور نے سجادہ نشینی کے فرائض بہ احسن وخوبی
انجام دیے اور اپنے حسن وعمل سے یہ ثابت
کر دیا کہ آپ واقعی اس مسند کے صحیح وارث تھے
۱۹۵۷ء میں روحانیت کا یہ آفتاب خلقِ خدا

Marfat.com

کو اپنی تابانیوں سے منور کرنے کے بعد روپوش ہوگیا۔ آپ کے خلفاء آپ کے اس فیضان کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

بالخصوص صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری دین متین کی اشاعت میں سرگرم عمل ہیں اور دُنیا کے گوشے گوشے میں توحید کے پیغام کو پھیلا رہے ہیں۔

بقیہ : طریقۂ تبلیغ

اہل دُنیا چوں سگ دیوانہ اند
دُور شو زمستاں کو لبس بیگانہ اند

پھر فرمایا۔ میاں قانون خداوند کی پابندی بھی کوئی چیز ہے وہ کون اگر کرے گا اپنے پیدا کرنے والے کو کچھ تو سمجھو!

اس پر بہت بڑا اثر ہوا اور آئندہ اپنی حالت سنوار لی۔ عمر بھر ایسا ہی رہا۔

بقیہ : حضرت میاں غلام اللہ شرقپوریؒ

حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہٗ العالی کے زیر نگرانی منایا جاتا ہے۔ جس میں ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے اور دین و دُنیا کی نعمتوں سے جھولیاں بھر کر لوٹتے ہیں۔

بقیہ : مظہرِ شریعت

شرقپور شریف کا یہ آفتاب عالمتاب دُنیا کی ظلمتوں کو دُور فرمانے کے بعد اور اعلیٰ حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق مبارک کی اشاعت کے بعد ۱۹۵۷ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اپنے بعد خلفاء اور متشرع مریدین کی ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے جو آپ کے فیض کو آج تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔

خدائے ذوالجلال فیض سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس مرکز سے انوار و تجلیات کا سلسلہ جاری و ساری رکھے اور طالبانِ راہ حقیقت اس آستانہ عالیہ سے تاقیام قیامت اپنی تشنہ کامیوں کو دُور کرتے رہیں ۔

اے خدا ایں آستاں قائم بدار
فیض ہو جاری بود لیل و نہار

شرقپور شریف میں
سالانہ ختم مبارک
حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوریؒ
ہر سال ۱۷-۱۸ اکتوبر بیکم دو کا تک منعقد ہوتا ہے

Marfat.com

حضرت ثانی لاثانیؒ

مُحمّد فاروق ایم۔اے انگلش۔ اُردو۔ فارسی

کسی اہم شخصیت پر لکھنا مشکل کام ہے کیونکہ وہ متنازعہ فیہ ہو سکتا ہے اور کسی ہمعصر اہم شخصیت پر لکھنا تو بے حد مشکل کام ہے لیکن حضرت میاں غلام اللہ صاحب شرقپوری کے حالات رقم کرتے وقت کوئی مشکل یا خوف دامن گیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ قلم میں اس قدر طاقت ہی کہاں ہے کہ آپ کی مضبوط شخصیت اور وسعت قلبی کے بارے میں کچھ رقم کر سکے اور اب ربع صدی گزرنے کے بعد جب انداز فکر بدلا تو پھر سوچا کہ جو کچھ پہلے نظر آ بھی گیا وہ بھی ہنوز نامکمل تھا۔ آپ کی شخصیت پہلے سے کہیں قد آور نظر آنے لگی۔

اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت میاں غلام اللہؒ صاحب آپ کے خلیفہ تھے اور سجادہ نشین حاجی عبدالرحمٰن صاحب قصوری نے جو حضرت میاں صاحب کے خلیفہ اوّل تھے اور جن کے بارے میں حضرت نے فرمایا تھا کہ اگر بروز قیامت خداوند کریم نے مجھ سے سوال کہ شیر محمد تم دُنیا سے کیا لائے ہو تو میں پروردگار کے سامنے عبدالرحمان کو حاضر کر کے کہوں گا کہ یہ میری کمائی ہے۔ جناب حاجی صاحب نے ایک دفعہ حضور میاں غلام اللہ صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ تو ثانی لاثانی ہیں یعنی جس طرح سے آپ سجادہ نشینی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور کوئی کیسے سرانجام دے گا اور اس مرد حق کی زبان سے نکلا ہوا یہ لفظ آپ کے نام کا جز بن گیا۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود۔

حضرت بابا امیر الدین جو اعلیٰحضرت میاں صاحب شرقپوری کے پیر و مُرشد تھے نے فرمایا تھا کہ آپؒ (حضرت میاں صاحب) کی فقیری سلف صالحین کی سی تھی۔ اب حضرت ثانی آپ حضرت میاں صاحب کے سجادہ نشین تھے اللہ اللہ کیا نیابت تھی؟ جیسے اعلیٰ حضرت کی طبیعت میں جلال تھا جو کہ کسی کو آگے نہیں بڑھنے دیتا تھا اور جمال جو کہ کسی کو پیچھے نہیں ہٹنے دیتا تھا اسی طرح حضرت ثانی لاثانی بھی محبت و ہیبت کی کچھ ایسی مثال

Marfat.com

تھے کہ سب کو تسلیم کرتے ہی بنی۔ حالانکہ نہ آپ نے کسی پر برتری کا دعویٰ کیا اور نہ ہی کسی کو یہ زعم ہو سکا کہ وہ اسکا ابطال کر سکے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

حضرت ثانی لاثانیؒ کو خلافت بالکل اسی طرح ملی جس طرح سے خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کو ملی۔

بس پیرو مرشد کی نگاہ کام کر گئی اور ہمارے حضرت ثانی لاثانیؒ کو قدرتِ کاملہ نے حضرت میاں صاحب کی نیابت کے لیے منظور کر لیا۔ اور پھر اس سلسلے کو تقویت پہنچانا آپ کو تفویض ہوا۔

تبلیغ کے سلسلے میں آپ نے اس بات پر توجہ کو زیادہ مرکوز رکھا کہ تمام آدمیوں کی اصلاح کی جائے تاکہ سوسائٹی کا اجتماعی رنگ بدلا جائے آپ کو غریبوں سے بے پناہ محبت تھی اور ان پر ہمیشہ نظر کرم فرماتے آپ سے ہر ملنے والا یہ محسوس کرتا کہ حضرت کی بھرپور توجہ اسی کی ہی طرف ہے۔

راقم الحروف نے یہ تو سنا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت قطب زماں حضرت میاں شیر محمد صاحب بازار سے گزرتے تو بازار میں کوئی ننگے سر والا نظر نہ آتا۔ سب چھپ جاتے۔ کوئی حقہ نوش حقہ پینے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ حقے کو چھپا لیتے اور کہتے کہ حضور میاں صاحب گزرنے والے ہیں حقہ چھپا لو۔ سب پر ایک ہیبت طاری ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ آپ کسی کی طرف دھیان تک نہیں دیتے تھے اور جلدی جلدی چل کر مسجد میں داخل ہو جاتے تھے۔

ہیبت از حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

مولانا روم

لیکن حضرت ثانی لاثانی کا زمانہ تو میں نے خود دیکھا ہے۔ آپ نے مخلوق کی تربیت تو کی لیکن اپنی ہستی کا اظہار سرے سے ہی نہیں کیا۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے تو اعلیٰ حضرت اس جگہ پر صرف اس لیے بٹھا گئے ہیں کہ جو کوئی آئے اس کے ہاتھ دھلا دوں اور دو روٹیاں اس کے آگے رکھوں۔ سبحان اللہ کیا اندازِ دلربائی ہے؟ جو کوئی آگیا وہ بچ کر نہیں گیا۔ میٹھے میٹھے اور نرم لہجے میں آپ کوئی بات کر دیتے۔ چھوٹی سی بات جو بعد میں تقدیر بن جاتی جو حق تعالےٰ جل شانہٗ کی طرف سے ایک اشارہ ہوتی۔ جو ایک نوید جانفزا ہوتی۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ کیسا دور تھا۔ حضرت اعلیٰ کی طرح آپ حضرت ثانی لاثانی بھی ہر بلند و پست پر برس گئے۔ کون ہے جو اس دروازے سے بے مراد لوٹا۔ کون ہے جو تشنہ کام گیا؟ اور کون ہے جو یقین کی دولت سے مالا مال نہ ہوا؟ شاید ہی کوئی ہو۔ یہ جمال

Marfat.com

دور تھا ۔ کسی کو پتہ نہ چل سکا اور اس کی بگڑی ہی بن گئی ۔ حضرت میاں صاحب نے کب مجاہدے کروائے تھے ۔

حضرت ثانی لاثانی نے بتائے بغیر ہی کام کر دیا

کیا نشیلی تھی آنکھ ساقی کی
مست کر دیا جدھر دیکھا

تحریک پاکستان میں آپکا جرأتمندانہ کردار

اگر اصلاح عامہ کا آپ نے بیڑہ اٹھایا تو سیاست میں بھی غیرت فقر سے کام لیا ۔ آپ کا زمانہ وہ نازک تھا کہ جب شرقپور شریف کی کوئی بھی شخصیت مسلم لیگ کے کسی جلسے کی صدارت کے لیے آمادہ ہوئی اور کوئی بھی مسلم لیگ کے کسی جلسے کا انتظام نہ سنبھالتا ۔ ان حالات میں حضرت میاں غلام اللہ صاحب ثانی لاثانی نے مسلم لیگ کے ایک عظیم جلسے کی صدارت فرمائی جو ۱۶ فروری ۱۹۴۵ء بروز بدھ شرقپور شریف میں منعقد ہوا جس میں متعدد مسلم لیگی راہنماؤں نے شرکت کی ۔ مثلاً شوکت حیات ۔ نواب افتخار حسین ممدوٹ ، نواب ممتاز دولتانہ ۔ راجہ غضنفر علی مولانا محمد بخش مسلم بی اے ۔ اور دیگر اکابرین پنجاب وضلع نے شرکت کی ۔ اس جلسہ میں آپ نے اپنے عقیدت مندوں اور دیگر عوام سے اپیل کی کہ مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کریں کیونکہ اسی میں ان کی فلاح ہے ۔

جلسہ کے اختتام پر ایک عظیم الشان اور پروقار جلوس نکالا گیا جس کی قیادت حضرت ثانی لاثانی نے کی ۔ حالانکہ جلوس نکالنے پر حکومت کی طرف سے سخت پابندی تھی ۔ مگر آپ نے جلوس نکال کر برطانوی حکومت پر یہ ثابت کر دیا کہ برطانوی آئین مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم قوم کے حوصلے بلند ہوئے اور مسلم لیگ کو زبردست تقویت پہنچی اس کے علاوہ اور بھی کئی مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت آپ نے فرمائی ۔ آپ نے ہمیشہ اپنے عقیدتمندوں کو مسلم لیگ سے تعاون کے لیے ہر طرح کے پیغامات بھیجے ۔ آپ کا شمار عظیم روحانی پیشواؤں اور تحریک پاکستان کے راہنماؤں میں ہوتا ہے ۔ جب وہ دور تھا کہ لوگ ڈر کے مارے ساتھ چھوڑ جاتے تھے ۔ آپ نے قیادت کی ذمہ داری قبول کی اور مسلمانوں کی سیاسی بحالی کے لیے کام کیا ۔ آپ کو حالات متزلزل نہ کر سکے ۔

کبھی سرمایۂ محراب و منبر : کبھی مولا علی خیبر شکن عشق ،

Marfat.com

بتعاون

شعبہ نشر و اشاعت دار المبلغین حضرت میاں صاحبؒ شرق پوری طبع ہونے والی کتب

تذکرہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ: حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری

ناشر:- پروگریسو بکس ۴۰ بی اردو بازار لاہور

خطباتِ شیر ربانیؒ

مرتبہ :- محمد سعید شاد

ناشر:۔ علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور

خزینہ معرفت

مؤلف :۔ صوفی محمد ابراہیم صاحبؒ

ناشر:- پروگریسو بکس

طریق النجات

مصنف :- حضرت علامہ محمد حسن صاحب

ناشر:- پروگریسو بکس

رشحاتِ عنبریہ

اعنی :- احوال و مقامات حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلویؒ

تالیف :۔ حضرت شاہ محمد مظہر مجددی مہاجر مدنی

قیمت ۴۰ روپے

Marfat.com

مکتبہ نورِ اسلام شرقپور شریف کی مطبوعات

- صدائے حق ------------ از حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- تنویر حرم ------------ از حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- منیۃ المصلیٰ ------------
- ارشادات مجددؒ ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- مسلک مجددؒ ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- مقالات یوم مجددؒ ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- مناسک حج ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- الجذبۃ الشوقیہ ------------
- سرھند شریف ------------ تلخیص از کتابچہ حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی
- المنتخبات من المکتوبات امام ربانی مجدد للالف ثانیؒ
- ماھنامہ نور اسلام کا شیر ربانی نمبر ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- تتمہ معارج نبوت ------------ از حضرت ملا معین واعظ کاشفی ہروی رحمۃ اللہ علیہ
- ماھنامہ نور اسلام کا امام اعظمؒ نمبر ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- ماھنامہ نور اسلام کا اولیائے نقشبند نمبر ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- خزینہ معرفت ------------ از صوفی محمد ابراہیم قصوری
- حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین ------------ از حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی
- فضائل حضرۃ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- مختصر حالات حضرت مجدد الف ثانیؒ ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- لمحہ فکریہ ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- آسان عربی اردو گرائمر ------------ مرتبہ حضرت صاجزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری
- فضائل حضرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ------------ از مولانا منصب علی شرقپوری
- مختصر حالات اعلیٰ حضرۃ شیر ربانی وحضرۃ ثانی لاثانی رحمۃ اللہ علیہما

مرتبہ صاجزادہ میاں جلیل احمد شرقپوری

ملنے کا پتہ

(۱) صاجزادہ میاں خلیل احمد و میاں سعید احمد و میاں جلیل احمد شرقپوری شرقپور شریف

(۲) جامع مسجد شیر ربانی ۔ اکبر روڈ ۔ مدینہ چوک ۔ دس پورہ ۔ لاہور

Marfat.com